

قصہ زید و زینبؓ اور جمہور مفسرین

سورۃ الاحزاب آیت ۳۷ کے ایک جملہ ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ.....“ سے متعلق امام طبری و امثالہ کا نکتہ نظر اور اس کے ساتھ جمہور مفسرین کا اختلاف پیچھے گزر چکا ہے۔ اب جمہور مفسرین نے اس آیت کی تفسیر بیان فرمائی ہے وہ مذکورین کی جاتی ہے:

امام بخاری نے ”کتاب التفسیر“ میں حضرت انس بن مالک سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ:

”أَنَّ هَذِهِ آيَةُ ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ“ نَزَلَتْ فِي شَأْنِ زَيْنَبِ ابْنَةِ جَحْشٍ وَزَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ“ (صحیح بخاری - کتاب التفسیر - باب قوله: ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ...“ رقم الحدیث ۴۷۸۷)

یہ آیت (۳۷) حضرت زینب بنت جحش اور حضرت زید بن حارثہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت انس بن مالک کی روایت میں ایک دوسرے مقام پر یہ الفاظ آئے ہیں:

”جاء زيد بن حارثة يشكو فجعل النبي صلى الله عليه وسلم يقول: ”اتق الله و أمسك عليك زوجك“

قالت عائشة: لو كان رسول الله صلى الله عليه وسلم كاتماً شيئاً لكم هذه الآية، قال و كانت (زینب) تفخر على ازواج النبي صلى الله عليه وسلم تقول: زوجكن أهاليكن و زوجني الله من فوق سبع سموات، و عن ثابت: ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا لِلَّهِ مُبْدِيهِ وَ تَخْفِي النَّاسَ“ نزلت في شأن زينب و زيد بن حارثة۔ (صحیح بخاری کتاب التوحيد۔ باب قوله: وَكَانَ عَزَّ شَيْءٌ عَلَى الْمَاءِ..... رقم الحديث ۷۴۲۰)

”حضرت زید اپنی بیوی کا شکوہ کرتے ہوئے آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: اللہ سے ڈر، اپنی بیوی کو طلاق نہ دو۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: اگر آپ قرآن مجید

میں کچھ چھپانے والے ہوتے تو اس آیت کو چھپاتے۔

حضرت انس کہتے ہیں: حضرت زینب آپ کی دوسری ازواج مطہرات پر فخر کیا کرتی تھیں کہ تمہارے عقد تمہارے ماں باپ یا سرپرستوں نے کئے مگر میرا عقد عرش اعلیٰ پر اللہ تعالیٰ نے کر دیا۔

اسی سند سے ثابت بنابی سے مروی ہے کہ یہ آیت زینب اور زید بن حارثہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

صحیح بخاری کی مذکورہ روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۷ پوری کی پوری ایک ساتھ ہی نازل ہوئی ہے۔ لیکن آیت کے مضمون سے اس بات کی تائید نہیں ہوتی کیونکہ حضرت زید نے مشورہ طلاق کے بعد ”أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ“ کا حکم سن کر فوراً طلاق نہیں دی پھر ”زَوِّجْنِيهَا“ کا معاملہ تو اور بعد میں پیش آیا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پوری آیت یکبارگی نازل نہیں ہوئی۔ جبکہ آیت ۳۶ (جس میں حضرت زید اور زینب کے نکاح کا ذکر ہے) اور ۳۷ کے نزول میں تو ایک سال سے زائد کافرق ہے کیونکہ ان دونوں کے درمیان یہ رشتہ ایک سال یا اس سے کچھ زائد عرصہ تک قائم رہا اس کے بعد طلاق کی نوبت آئی۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب زیر بحث آیت کی تفسیر میں جمہور مفسرین کا موقف پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”حضرت زینب بنت جحش کا نکاح بامر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ ہو گیا مگر دونوں کی طبیعتوں میں موافقت نہ ہوئی۔ حضرت زیدؓ ان کی تیز زبانی اور نسبی شرافت کی بناء پر اپنے کو اونچا سمجھنے اور اطاعت میں کوتاہی کرنے کی شکایت کیا کرتے تھے۔ دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ بتلادیا گیا تھا کہ زیدؓ ان کو طلاق دیں گے اس کے بعد زینبؓ آپ کے نکاح میں آئیں گی۔

ایک روایت حضرت زیدؓ نے ان ہی شکایات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے

امام طبری --- کون؟

قصہ زید و زینبؓ اور جمہور مفسرین

حدیث و سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں جب بیت اللہ کی تعمیر کی گئی تو اس میں کئی چیزیں بناء امرا ہی کے خلاف کر دی گئی ہیں۔۔۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر نو مسلم لوگوں کے غلط فہمی میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں بیت اللہ کو پھر بناء امرا ہی کے مطابق بنادیتا، یہ حدیث سب کتب معتبرہ میں موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو غلط فہمی سے بچانے کے لئے اپنا یہ ارادہ جو شرعاً محمود تھا، اس کو ترک کر دیا اور منجانب اللہ اس پر کوئی عتاب نہیں ہوا جس سے اس عمل کا عند اللہ مقبول ہونا بھی معلوم ہو گیا۔ مگر یہ معاملہ (یعنی) بیت اللہ کو بناء امرا ہی کے مطابق دوبارہ تعمیر کرنے کا ایسا نہیں جس پر کوئی مقصد شرعی موقوف ہو یا جس سے احکام حلال و حرام متعلق ہوں۔ بخلاف واقعہ زینبؓ کے کہ اس سے ایک مقصد شرعی متعلق تھا کہ جاہلیت کی رسم بد اور خیال باطل کی عملی تردید ہو جائے کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح حرام ہے۔ کیونکہ قوموں میں چلی ہوئی غلط رسموں کو توڑنا عملاً جب ہی ممکن ہوتا ہے جب اس کا عملی مظاہرہ ہو، حکم ربانی اسی کی تکمیل کے لئے حضرت زینبؓ کے نکاح سے متعلق ہوا تھا، اس تقریر سے بناء بیت اللہ کے ترک اور نکاح زینبؓ پر بارشاد خداوندی عمل کے ظاہری تعارض کا جواب ہو گیا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی قوی تبلیغ جو سورۃ احزاب کی پہلی آیات میں آچکی ہے اس کو کافی سمجھا، اور اس کے عملی مظاہرہ کی حکمت کی طرف نظر نہیں گئی۔ اس لئے باوجود علم و ارادہ کے اس کو چھپایا۔۔۔ (تفسیر معارف القرآن۔ جلد ہفتم ص ۱۵۲-۱۵۶)

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زیر بحث آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں کہ:

”اللہ تعالیٰ نے زید کے مشورہ (طلاق) سے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ زید کے طلاق دینے کے بعد آپؐ کو سیدہ زینبؓ سے نکاح کرنا ہوگا تا کہ رسم تنہیت کا خاتمہ ہو۔ آپؐ مخالفین کے طعن سے ڈرتے تھے کہ آپؐ نے عہد نبی کی مطلقہ سے نکاح کر لیا ہے

امام طبری --- کون؟

قصہ زید و زینبؓ اور جمہور مفسرین

لہذا جب حضرت زید نے طلاق دینے کے بارے میں مشورہ کیا تو آپؐ نے یہ سوچا ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حتمی حکم آ جائے گا اس وقت تو سر تسلیم خم کرنا ہی ہوگا لیکن سردست یہی مشورہ دینا چاہئے کہ طلاق سے بچو اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کر ایک دوسرے کے حقوق ادا کرو۔ اور یہ بات ظاہر نہیں فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ کسی وقت زید طلاق دیں گے پھر وہ آپؐ کے نکاح میں آئے گی۔۔۔ (آسان ترجمہ قرآن۔ تشریحات کے ساتھ تحت الآیہ، جلد سوم ص ۱۳۰۰)

صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی آیت ۷۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”جب حضرت زید کا نکاح حضرت زینب سے ہو چکا تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ زینب آپؐ کے ازدواج مطہرات میں داخل ہوں گی اللہ تعالیٰ کو یہی منظور ہے اس کی صورت یہ ہوئی کہ حضرت زید اور زینب کے درمیان موافقت نہ ہوئی اور حضرت زیدؓ نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ”حضرت زینبؓ کی سخت گفتاری، تیز زبانی، عدم اطاعت اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی“ شکایت کی، ایسا بار بار اتفاق ہوا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید کو سمجھا دیتے، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ”وَإِذْ يَقُولُ الْمَلَائِكَةُ أَوْرَثْنَاكَ اللَّهُ“ اور اللہ سے ڈر۔ (زینب پر کبر و اہمیت کے شوہر کے التزام لگانے میں)، ”وَتُخَفِّفُ فِيهِ تَفْسِيكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ“ اور تم اپنے دل میں رکھتے تھے وہ جسے اللہ کو ظاہر کرنا منظور تھا (یعنی آپؐ یہ ظاہر نہیں فرماتے تھے کہ زینب سے تمہارا نباہ نہیں ہو سکے گا اور طلاق ضرور واقع ہوگی اور اللہ تعالیٰ انہیں ازدواج مطہرات میں داخل کرے گا اور اللہ تعالیٰ کو اس کا ظاہر کرنا منظور تھا)۔“ (خزان العرفان۔ تفسیری حاشیہ بر ”کنز الایمان“ ص ۶۰۴)

پیر سید محمد کرم شاہ صاحب ازہری زیر بحث آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

”حضرت زینبؓ نے ارشاد نبویؐ کے مطابق حضرت زیدؓ سے نکاح تو کر لیا تھا لیکن مزاج اور طبیعت کا تفاوت قائم رہا۔ آپؐ کو اپنے عالی خاندان اور شریف النسب ہونے پر جو فخر تھا اس سے ان کی خاگی زندگی تلخیوں سے دوچار ہوتی رہتی تھی۔ حضرت زیدؓ بھی غیر متند

جوان تھے وہ آئے دن کی یہ بے عزتی اور تذلیل برداشت کرتے کرتے تھک گئے تھے، ان کا بیٹا نہ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ خانگی زندگی کو خوش کوار بنانے کے لئے ان کی ساری کوششیں ماکام ہو چکی تھیں۔ سال بھر کی ترش کلامی کے باعث زید دل برداشتہ ہو گئے۔ باہمی مودت و الفت کی جگہ شدید نفرت نے لے لی اور طلاق کے بغیر اس الجھن کا انہیں کوئی حل نظر نہیں آتا تھا۔

کیونکہ یہ نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا تھا اس لئے ان کی یہ مجال نہ تھی کہ چپکے سے طلاق دے کر انہیں فارغ کر دیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ حاضر ہوئے اور اپنی ساری پیتا کہہ سنائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی زید کے اس ارادے سے بڑی تشویش ہوئی اور یہ بالکل قدرتی عمل تھا۔ کل اتنا مجبور کر کے نکاح کیا اور آج زید نے طلاق دے دی لوگ کیا کہیں گے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہی سمجھایا کہ تم طلاق دینے سے باز آؤ اور اس معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، کل میں نے بڑے شوق سے تمہارا نکاح کیا ہے، آج اگر تم طلاق دے دو تو حضرت زینبؓ اور ان کے عزیزوں کی دل شکنی ہوگی لیکن حضرت زید کے لئے یہ ممکن نہ رہا تھا، اصلاح احوال کے لئے انہوں نے سارے جتن کئے تھے اور ہر امکافی کوشش کی تھی لیکن حضرت زینبؓ کے مزاج کو بدلنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اس جملہ سے یہ معنی اخذ کرنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم محض ظاہر داری کی وجہ سے یہ فرما رہے تھے انسانیت، شرافت اور حقیقت حال کے ساتھ بہت بڑی بے انصافی ہے بلکہ اس جملہ کا یہ مفہوم ہے جو میں نے عرض کیا۔ (یعنی زینب اور ان کے رشتہ داروں کی دل شکنی ہوگی) ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ“ پر ان عیاروں نے بڑی لے دے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس چیز کو حضورؐ چھپا رہے تھے وہ حضرت زینبؓ سے محبت تھی لیکن ان کی اس ہرزہ سرائی کو آیت کا اگلا حصہ باطل کر دیتا ہے ارشاد ہے: ”مَّا لَئِلَٰهُ مُبْدِيهِ“ یعنی آپ وہ چیز دل میں چھپا رہے ہیں جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے۔ معلوم ہوا جسے حضورؐ چھپا رہے تھے وہ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا۔ اب آپ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس چیز کو ظاہر فرمایا ہے تو

جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا، وہی وہ چیز ہے جس کو حضورؐ چھپا رہے تھے۔ اس کے علاوہ کسی اور چیز کا تصور کرنا باطل، کذب اور محض افتراء ہے۔ خود بتائیے کہ کسی جگہ اللہ تعالیٰ نے اس عشق و محبت کو ظاہر کیا، صراحتاً نہ ہی کنایتاً، لفظاً نہ ہی اشارتاً۔ اگر ایسی کسی بات کا نام و نشان نہیں تو پھر ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ“ کا یہ معنی بیان کرنا جوان لوگوں نے کیا ہے کتنی بڑی گستاخی ہے“ (ضیاء القرآن جلد چہارم ص ۶۲-۶۳)

مولانا عاشق الہی بلند شہری فرماتے ہیں کہ:

”حضرت زینبؓ، حضرت زیدؓ بن حارثہ کے نکاح میں ایک سال یا اس سے کچھ زیادہ رہیں لیکن دونوں میں نباہ نہ ہوا۔ حتیٰ کہ ایک روز حضرت زیدؓ با رگا و رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! زینب کی بدکلامی نے مجھے ستا دیا لہذا میں ان کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے ان سے فرمایا: ”أَفَسَيْدُ عَلَيْكَ زَوْجُكَ وَأَقْبَى اللَّهِ“ اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رکھو اور اللہ سے ڈرو۔ لیکن پھر بھی آپس میں دونوں کا میل نہ ہو سکا اور آخر آپؐ کی اجازت سے انہوں نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی۔

چونکہ اللہ شانہ نے ان (زینب) کا نکاح (آپؐ سے) خود کر دیا اس لئے دنیا میں دوسرے نکاحوں کی طرح مجلس میں آپؐ کا نکاح حضرت زینبؓ سے نہیں ہوا بلکہ آیت کا نازل ہونا ہی نکاح تھا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپؐ حضرت زینبؓ کے پاس بغیر اجازت ہی مکان میں چلے گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی کہ زینبؓ سے آپؐ کا نکاح ہوگا لیکن آپؐ اس خبر کو ظاہر کرنے سے ہچکچاتے رہے اور لوگوں کی بدزبانی کے خوف سے اس بات کو پوشیدہ رکھا تھا تا کہ یوں نہ کہیں کہ دیکھو بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ عرب کی یہ جہالت ٹوٹے اور بنائے ہوئے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا اسلام میں جائز سمجھ لیا جاوے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زینبؓ کا نکاح کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ فرماتے ہوئے قرآن پاک کی آیت نازل فرمائی:

”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ“
اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تم لوگوں
سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں کہ ان سے ڈرو۔

اس آیت میں اللہ جل شانہ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ کی گئی ہے،
جس کا عنوان گرفت اور مواخذہ کا ہے، حضرت حسن (بصری) فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم پر اس آیت سے زیادہ سخت کوئی آیت نہیں اتنی جس میں گرفت اور عتاب کا
انداز ہو اور اگر آپ اپنے اختیار سے کسی آیت کو چھپانے کے حق دار ہوتے تو اس آیت کو
ضرور چھپا لیتے، (امت مسلمہ کی مانیں ص ۱۰۲-۱۰۴)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ“ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت زیدؓ سے حضرت
زینبؓ کے تعلقات انتہائی کشیدہ ہو چکے تھے اور انہوں نے بار بار شکایات پیش کرنے کے
بعد آخر کار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ میں ان کو طلاق دینا چاہتا
ہوں۔ حضرت زینبؓ نے اگرچہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم مان کر ان کے نکاح میں جانا
قبول کر لیا تھا لیکن وہ اپنے دل سے اس احساس کو کسی طرح نہ مٹا سکیں کہ زید ایک آزاد کردہ
غلام ہیں، ان کے اپنے خاندان کے پروردہ ہیں اور وہ عرب کے شریف ترین گھرانے کی
بیٹی ہونے کے باوجود اس کم تر درجے کے آدمی سے بیاہی گئی ہیں۔ اس احساس کی وجہ سے
ازدواجی زندگی میں انہوں نے کبھی حضرت زیدؓ کو اپنے برابر نہ سمجھا اور اسی وجہ سے دونوں
کے درمیان تلخیاں بڑھتی چلی گئیں۔ ایک سال سے کچھ ہی زیادہ مدت گزری تھی کہ نوبت
طلاق تک پہنچ گئی۔

جس زمانے میں حضرت زیدؓ اور ان کی اہلیہ کے درمیان تلخی بڑھتی چلی جا رہی تھی اسی
زمانے میں اللہ تعالیٰ نبی کو یہ اشارہ کر چکا تھا کہ زید جب اپنی بیوی کو طلاق دیں تو ان کی
مطلقہ خاتون سے آپ کو نکاح کرنا ہوگا لیکن چونکہ حضورؐ جانتے تھے کہ عرب کی اس سوسائٹی

میں منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کرنا کیا معنی رکھتا ہے اور وہ بھی عین اس حالت میں
جبکہ مٹھی بھر مسلمانوں کے سوا باقی سارا عرب آپ کے خلاف پہلے ہی خار کھائے بیٹھا تھا اس
لئے آپ اس شدید آزمائش میں پڑنے سے ہچکچا رہے تھے۔

اسی بناء پر جب حضرت زیدؓ نے بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ ظاہر کیا تو حضورؐ نے ان
سے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو طلاق نہ دو۔ آپ کا منشاء یہ تھا کہ یہ شخص طلاق نہ
دے تو میں اس بلاء میں پڑنے سے بچ جاؤں ورنہ اس کے طلاق دینے کی صورت میں مجھے
حکم کی تعمیل کرنی ہوگی اور پھر مجھ پر وہ کچھڑا چھالی جائے گی کہ پناہ بخدا۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے نبی
کو اولوالعزمی اور رضا بقضا کے جس بلند مرتبے پر دیکھنا چاہتا تھا اس کے لحاظ سے حضورؐ کی یہ
بات اس کو فروز نظر آئی کہ آپ نے قصد ازید کو طلاق سے روکا تا کہ آپ اس کام سے بچ
جائیں جس میں آپ کو بدنامی کا اندیشہ تھا حالانکہ اللہ ایک بڑی مصلحت کی خاطر وہ کام آپ
سے لینا چاہتا تھا: ”تم لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس
سے ڈرو“ کے الفاظ صاف صاف اسی مضمون کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

یہ عتاب ہے ترک اولیٰ پر۔ اس حالت میں اولیٰ یہ تھا کہ نبی خاموش رہتے یا زید سے
فرما دیتے کہ تم جو کچھ کرنا چاہو کر سکتے ہو۔ عتاب کا ما حاصل یہ ہے کہ تم نے زید سے یہ کیوں
کہا کہ اپنی بیوی کو نہ چھوڑو حالانکہ میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا تھا کہ زینب تمہاری بیویوں میں
شامل ہوں گی۔“ (تفہیم القرآن جلد ۴ ص ۱۰۰-۱۰۱)

مودودی صاحب نے اس تفسیر میں جہاں حضرت زینبؓ کا نامناسب انداز میں ذکر
کر کے ان کے جذبہ ایثار اور فرمان رسول (کہ زیدؓ سے نکاح کرلو) کی اطاعت کا مضحکہ
اڑایا وہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی الزام عائد کر دیا کہ آپ لوگوں سے ڈر کر اور حکم
الہی کو ’بلاء‘ سمجھ کر اپنی تدبیر سے ٹالنا چاہتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت سے گریز
کر رہے تھے جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب مازل ہوا۔ موصوف نے نبی
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر کس قدر بہتان لگا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نکاح

کا اشارہ ملنے کے باوجود آپؐ لوگوں اور رسم زمانہ سے ڈر کر شدید آزمائش میں پڑنے سے بچکچا رہے تھے۔

موصوف کی یہ بات بھی بعید از فہم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اولوالعزمی اور رضا بقضاء کے اس مقام پر نہ پہنچے تھے جس پر اللہ تعالیٰ انہیں دیکھنا چاہتے تھے حالانکہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب نبوت پر سرفراز ہوئے اٹھارہ سال بیت چکے تھے۔ کیا یہ مقام رسالت سے بے خبری کا نتیجہ نہیں ہے؟

قارئین کرام! یہ ہے ایک غلط روایت کو درست سمجھنے کی وجہ سے شدید ترین غلطیوں کا ارتکاب۔ یہی نہیں بلکہ موصوف نے اپنے علم کا بھی بھر کس نکال دیا ہے۔ حضرت زینبؓ کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ۵ھ میں غزوہ احزاب کے بعد ہوا ہے اور اس وقت تک متعدد غزوات اور سرایا ہو چکے تھے۔ مسلمان ہرگز مٹھی بھر افراد کی جمعیت نہ تھی بلکہ ایک طاقت ور جماعت کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ اسی موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو ”No More“ کہہ کر جواب دیا تھا کہ اس کے بعد تم ہم پر چڑھائی نہیں کرو گے بلکہ اب ہم ہی تم پر چڑھائی کریں گے۔ اس اعلان کے تین سال بعد مکہ مکرمہ فتح ہو گیا۔ حضرت زینبؓ سے نکاح کا معاملہ تو مدنی دور میں پیش آیا جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دور میں بھی کافروں کی شدید ترین دشمنی کے باوجود اعلان حق میں کسی قسم کا ٹال نہیں کیا کرتے تھے۔

جمہور مفسرین کے متضاد اقوال

سورۃ الاحزاب آیت ۳۷ کی تفسیر میں جمہور مفسرین کے اقوال کی روشنی میں حضرت زینبؓ کی طلاق اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کے بارے میں بعض متضاد امور بھی سامنے آتے ہیں جن سے آیت کا صحیح مفہوم واضح نہیں ہوتا اور تمام تر تاویلات کے باوجود حضرت زینبؓ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل برأت سامنے نہیں آتی۔

امام طبری و امثالہ کے موقف کو تو جمہور مفسرین نے باطل اور کذب و افتراء قرار دیا ہے (جس کی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے) مگر خود ان کے اپنے تفسیری اقوال سے بھی بعض ”اشکال“ رفع نہیں ہوتے مختلف تفسیری اقوال ملاحظہ فرمائیں:

حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کے مابین طلاق کی وجہ

مفسرین کے ایک گروہ کے نزدیک طلاق دینے کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت زینبؓ کو ننگے سر اپنے حجرہ میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو ان کی محبت آپؐ کے دل میں کھب گئی جس کا اظہار آپؐ نے یوں فرمایا: ”سبحان اللہ العظیم، سبحان اللہ مصرف القلوب“۔ حضرت زینبؓ نے جب یہ کلمات حضرت زیدؓ کو بتائے تو انہوں نے بھی ان سے یہی مفہوم اخذ کیا کہ زینبؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند آ گئی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ حضرت زیدؓ نے خود اپنی بیوی کو بتایا کہ شاید تمہاری محبت آپؐ کے دل میں اتر گئی ہے۔ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں تاکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تجھ سے شادی کر لیں۔ حضرت زینبؓ نے کہا: مجھے اس بات کا خدشہ ہے کہ اگر آپؐ نے مجھے طلاق دے دی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے شادی ہی نہ کریں۔

علامہ محمود آلوسی نے علی بن ابیہیم کا یہ تفسیری قول نقل کیا ہے:

”أنه صلى الله عليه وسلم أتى بيت زيد قرأى زينب جالسة وسط حجرتها

تسحق طیباً بفہرلہا قلماً نظر إلیہا قال: سبحان خالق النور تبارک اللہ أحسن الخالقین فرجع، فجاء زید فأخبرته الخبر، فقال لها: لعلک وقعت فی قلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فهل لک أن أطلقک حتی یتزوجک رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام، فقالت: أخشى أن تطلقنی ولا یتزوجنی...“ (روح المعانی الجزء الثانی والعشرون ص ۲۵)

جبکہ جمہور مفسرین کے نزدیک میاں بیوی کی عدم موافقت اور حضرت زینبؓ کی ”تیز زبانی، سخت گفتاری، عدم اطاعت اور نسی قفاخر“ کی بناء پر حضرت زیدؓ مسلسل اپنے بے عزتی اور تذلیل برداشت کرتے کرتے تھک گئے تھے اور ان کے صبر کا پیا نہ لبریز ہو چکا تھا حتیٰ کہ نوبت طلاق تک جا پہنچی، جمہور مفسرین کے نزدیک سال بھر کی ازدواجی زندگی کے دوران حضرت زینبؓ کے طعن و تشنیع، نسی قفاخر اور بدکلامی و عدم اطاعت کی وجہ سے باہمی محبت و الفت کی جگہ نفرت پیدا ہو گئی۔ نیز اصلاح احوال اور حضرت زینبؓ کے مزاج کو بدلنے کی تمام کوششیں ناکام ہو گئی تھیں۔

اس کے برعکس امام طبری و امثالہ کے نزدیک جب حضرت زیدؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر طلاق دینے کے ارادے کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: ”مالک، أراک منها شیء؟ قال: لا، واللہ ما رابنی منها شیء یا رسول اللہ، ولا رأیت الا خیرا“ (تفسیر الطبری جلد ۱۰ ص ۳۰۲)

کیا زینبؓ کی طرف سے کوئی بدسلوکی ہوئی ہے؟ حضرت زیدؓ نے کہا: نہیں۔ اللہ کی قسم! میں نے ان میں خیر کے علاوہ کوئی بات نہیں دیکھی۔

اسی طرح مفسرین کرام نے ”وَتُخْفِی فِی نَفْسِکَ“ کے تحت بھی مختلف آراء کا اظہار کیا ہے:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بظاہر حضرت زیدؓ کو طلاق نہ دینے کا حکم دے رہے تھے لیکن اپنے دل میں یہ خواہش رکھتے تھے کہ وہ طلاق دے دیں تاکہ میں ان سے نکاح کر لوں۔

”لو فارقہا زید تزوجتہا“ (جلالین)، ”ان فارقہا تزوجتہا“ (تاریخ طبری جلد ۲ ص ۳۲۳)

”وہو صلی اللہ علیہ وسلم یحب أن تکن قد بانت منه لیکحہا.....“

لتتزوجہا ان هو فارقہا.....، وکان یخفی فی نفسه وذ أنه طلقہا.....، تخفی فی نفسک ان فارقہا تزوجتہا“ (تفسیر الطبری جلد ۱۰ ص ۳۰۲)

دیگر مفسرین کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ”وجی“ کو دل میں چھپایا تھا جس میں آپؐ کو بتایا گیا تھا کہ زینبؓ ازواج مطہرات میں شامل ہوں گی۔ یعنی آپؐ نے اس وجی اور نکاح کی خواہش کو چھپایا تھا نہ کہ ”محبت“ کو جو دل میں کھب گئی تھی (العیاذ باللہ) کیا نکاح ”محبت“ اور خواہش کے بغیر ہوتا ہے؟ جمہور مفسرین کا موقف بھی یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”ارادہ نکاح“ کو چھپایا تھا، بعض نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بظاہر تو طلاق نہ دینے کا مشورہ دے رہے تھے جبکہ اپنے دل میں وجی کی روشنی میں ”طلاق“ کو چھپا رکھا تھا کہ یہ واقعہ ہو کر رہے گی۔ ارادہ نکاح یا طلاق دونوں کا مفہوم تو ایک ہی ہے کیونکہ نکاح بھی تو طلاق کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔

مگر اس توجیہ کے ساتھ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے یہ ”عجیب“ بات بھی بیان فرمائی ہے کہ:

”جب حضرت زیدؓ نے طلاق دینے کے بارے میں مشورہ کیا تو ”آپؐ نے یہ سوچا ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حتمی حکم آ جائے گا اس وقت تو سر تسلیم خم کرنا ہی ہوگا لیکن سر دست یہی مشورہ دینا چاہئے کہ طلاق سے بچو اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کر ایک دوسرے کے حقوق ادا کرو۔“ (آسان ترجمہ قرآن - تشریحات کے ساتھ جلد سوم - تحت الآیہ ۱۳۰ ص ۱۳۰)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے ایک غیر یقینی، قیاسی، بلاشبہ اور مشکوک بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دی۔ موصوف کو یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”یہ سوچا“ ہوگا جب انہیں اس نسبت پر خود بھی یقین نہیں ہے تو پھر انہوں نے ایک مشکوک امر کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کیوں فرمائی؟

سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہے کہ موصوف کی توجیہ کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قصد اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس عام وجی کو ”قابل عمل“ نہیں سمجھا اور سر تسلیم خم کرنے کے لئے کسی ”حتمی حکم“ کا انتظار فرماتے رہے۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ اس

حتمی حکم کے بعد بھی ”مجبوراً واضطراراً“ ہی سر تسلیم خم کرنا ہوگا نہ کہ برضا و رغبت۔ العیاذ باللہ۔ کو یا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قصد اودعما اس عام وحی کے برخلاف حضرت زید کو طلاق نہ دینے کا مشورہ دے دیا۔ کیا عام حکم یا اشارہ قابل عمل نہیں ہوتا؟

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ نبی کے لئے خواب میں بھی اشارہ وحی کے حکم میں داخل ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرتے ہوئے دیکھا تو وہ بیداری میں اس ”حکم“ پر عمل پیرا ہو گئے۔ ”فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰ بُنَيَّ اِنِّىْ اَرٰى فِى الْمَنَامِ اَنِّىْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۖ قَالَ يٰ اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمُرُ ۖ سَتَجِدُنِىْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ فَلَمَّا اسْلَمَا لِاٰتِىَنِ السَّاعَةِ ۝ وَتَذَكَّرْتُ اَنْ يُؤْتِیَا هِمَّتِمْ ۝ قَدْ صَدَّقْتُ الرُّءُیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَنْزِلُ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (سورة الطه ۱۰۲-۱۰۵) اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ وہ صحابہ کے ہمراہ عمرہ ادا کر رہے ہیں پھر آپ صحابہ کرام کی معیت میں عمرہ ادا کرنے کے لئے روانہ ہو گئے تھے کہ حدیبیہ کے مقام پر روک دیئے گئے پھر معاہدہ کے مطابق آئندہ سال دوبارہ تشریف لے گئے۔

”لَقَدْ صَدَّقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءُیَا بِالْحَقِّ ۚ لَقَدْ خَلَّلَ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اَمِیْنٌ ۚ مُّخْلِیْنِ رُءُوسَکُمْ وَ مُقَصِّرِیْنِ ۚ لَا تَخَافُوْنَ ۚ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِیْنًا ۝ (سورة الفتح آیت ۲۷)۔

اب غور طلب یہ بات ہے کہ جمہور مفسرین کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو واضح طور پر آگاہ کر دیا گیا تھا پھر معلوم نہیں آپ ”حتمی حکم“ آنے تک کیوں منتظر رہے۔ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے آپ کے ”عدم اطاعت کے فعل“ کی خیالی تاویل فرمائی ہے جس کی علمی دنیا میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب اس عام حکم کے بعد کوئی ”حتمی حکم“ نازل نہیں ہوا تو کیا وہ عام حکم ہی ”حتمی حکم“ نہیں سمجھا جائے گا؟ اس طرح تو حضرت مفتی صاحب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ”حتمی حکم“ کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار دے دیا۔ اگر اسے ”حتمی حکم“

نہ سمجھا جاتا تو پھر اس کی خلاف ورزی پر ”عتاب“ ہی کیوں ہوتا؟ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔ مفسرین کرام نے ”وَتَخَشَّی النَّاسُ“ کے تحت اس رائے کا اظہار فرمایا ہے کہ:

”وتخاف أن یقول الناس: أمر رجلاً بطلاق امرأته ونكحها حين طلقها والله أحق أن تخشاه من الناس“ (تفسیر الطبری جلد ۱۰ - ص ۳۰۲)

اس معاملے میں بھی امام طبری سمیت جملہ مفسرین ایک ہی ”صفحہ“ پر ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وحی کی اطلاع پر کہ نسیب ازواج مطہرات میں شامل ہوں گی البتہ آپ نے اس کے برخلاف حضرت زید کو طلاق نہ دینے کا مشورہ لوگوں کے ڈر و خوف، طعن و تشنیع اور پروپیگنڈے کی وجہ سے دیا کہ لوگ کہیں گے کہ نبی نے حضرت زید کو طلاق دینے کا حکم دیا پھر خود اس کے ساتھ نکاح کر لیا نیز آپ کو لوگوں کا یہ خوف بھی لاحق تھا کہ وہ یہ پروپیگنڈا کریں گے کہ آپ نے اپنے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ یعنی بہو سے نکاح کر لیا اس لئے اللہ نے آپ پر عتاب کیا کہ لوگوں سے کیوں ڈرتے ہو؟ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔

اس وجہ سے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم کردار پر مزید زبردستی ہے کہ آپ کی اصل اور شدید خواہش تو یہ ہے کہ زید طلاق دیں تو میں خود ان سے نکاح کر لوں مگر اس خواہش کے برعکس زید کو طلاق نہ دینے کا مشورہ دے رہے ہیں اور دوسری ”زُد“ یہ پڑتی ہے کہ آپ کو لوگوں کے ڈر کی وجہ سے وحی کا اظہار نہیں کر رہے حالانکہ آپ کو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرنا چاہئے۔ تیسری ”زُد“ یہ پڑتی ہے کہ آپ قصد اللہ تعالیٰ کے حکم کو نال رہے تھے کہ نہ زید طلاق دیں اور نہ مجھے اس سے نکاح کرنا پڑے اس طرح میں لوگوں کے طعنوں سے محفوظ رہوں گا۔ العیاذ باللہ۔ اس پر مفصل بحث آگے آ رہی ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ مفسرین کرام نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا باوجود علم و ارادہ کے لوگوں کے طعنوں سے ڈر کر اپنے ارادہ نکاح کو ظاہر نہ کرنا یا حضرت زید کو طلاق دینے کا مشورہ نہ دینا یا جب حضرت زید نے آپ سے مشورہ کیا تھا تو آپ کم از کم ”سکوت“ ہی اختیار کر لیتے، یہ سب امور شان نبوت کے منافی ہیں۔

امام طبری --- کون؟

جہور مفسرین کے متضاد اقوال

علامہ ازیس اللہ تعالیٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے جاہلیت کی اس رسم بد اور باطل خیال کی عملی تردید کرنا چاہتے تھے جس میں منہ بولے بیٹے کی مطلقہ یا بیوہ کو حقیقی بہو کا درجہ دیا جاتا تھا لہذا یہ ایک تبلیغی حکم تھا جس کا اخفاء ہر گز صحیح نہیں تھا۔ جملہ مفسرین کے نزدیک اسی وجہ سے آپؐ مور و عتاب ہوئے اور بقول حسن بصری کے (بشرط صحت روایت) ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت سے زیادہ سخت کوئی آیت نہیں اتری جس میں گرفت اور عتاب کا انداز ہو۔“

”قَلَمًا قَطَطِي زَيْدًا مِّنْهَا وَطَرًا...“ پھر جب زید پوری کر چکے تھے حضرت زینبؓ سے اپنی غرض و حاجت اور ضرورت۔

مفسرین نے ”وَطَرًا“ کے مختلف معنی کئے ہیں:- جب حضرت زیدؓ ان سے سیر ہو گئے، جب انہوں نے ان سے اپنی حاجت اور غرض پوری کر لی، جب انہوں نے ان سے قطع تعلق کر لیا یعنی طلاق دے دی یہاں یہی معنی متن کے ساتھ پوری مطابقت رکھتے ہیں۔ لہذا ”قَطَطِي زَيْدًا مِّنْهَا وَطَرًا“ کے معنی ہوں گے کہ زیدؓ نے سیدہ زینبؓ سے اپنا تعلق بالکل منقطع کر لیا۔ لفظ طلاق سے اس مضمون کو ادا کرنے کے بجائے اس اسلوب سے یہ فائدہ ہوا کہ اس سے زمانہ عدت کے گزرنے کی طرف بھی اشارہ ہو گیا جس کے گزر جانے کے بعد طلاق دینے والے کا ہر تعلق عورت سے منقطع ہو جاتا ہے۔

اس کے برعکس علامہ محمود آلوسی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ایک تفسیری قول نقل کرتے ہیں کہ:- ”الوطر هنا بالجماع، المراد لم يبق له بها حاجة الجماع و طلقها، وفي البحر نقلاً عن بعضهم أنه رضي الله تعالى عنه لم يتمكن من الاستمتاع بها، و روى أبو عصمة نوح بن أبي مریم باسناد رفعه إليها أنها قالت ما كنت أمتنع منه غير أن الله عز وجل منعني منه، وروى أنه كان يتوهم ذلك منه حين يريد أن يقربها فيمتنع.....“ (روح المعاني الجزء الثاني والعشرون ص ۲۵)

”الوطر“ یہاں جماع کے معنی میں ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب حضرت زیدؓ کو حضرت زینبؓ سے جماع کی کوئی حاجت باقی نہ رہی تو انہوں نے انہیں طلاق دے دی۔

امام طبری --- کون؟

جہور مفسرین کے متضاد اقوال

علامہ ابو حیان اندلسی نے ”البحر المحیط“ میں بعض علمائے کرام سے نقل فرمایا ہے کہ حضرت زیدؓ حضرت زینبؓ سے استمتاع نہیں کر سکے۔

اور ابو عصمہ نوح بن ابی مریم نے اپنی سند جو حضرت زینبؓ تک پہنچتی ہے کے ساتھ روایت بیان کی کہ حضرت زینبؓ فرماتی تھیں کہ: میری طرف سے میرے پاس آنے کے لئے زیدؓ کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے ہی انہیں میرے پاس آنے سے روک رکھا تھا۔ اور ایک دوسری روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ:

حضرت زیدؓ کا جس روز حضرت زینبؓ کے پاس جانے کا ارادہ ہوتا تو ان کا بدن متورم ہو جاتا تھا اس لئے وہ حضرت زینبؓ کے پاس جانے سے رک جاتے تھے۔

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ نے بھی ”البحر المحیط“ (جلد ۷ ص ۲۳۵) کے حوالے سے یہ روایت لکھی ہے اور قرار دیا ہے کہ حضرت زینبؓ کا مدخولہ ہونا ثابت نہیں۔ (تفسیر جواہر القرآن جلد سوم ص ۹۳۰) ”قَلَمًا قَطَطِي زَيْدًا مِّنْهَا وَطَرًا“ کے الفاظ سے ہی مفسرین کے ایک گروہ نے حضرت زینبؓ کا ”مدخولہ“ ہونا ثابت کر کے طلاق کے بعد عدت کو ضروری قرار دیا ہے۔

جبکہ مفسرین کے دوسرے گروہ نے ”وَطَرًا“ سے حضرت زینبؓ کا ”غیر مدخولہ“ ہونا ثابت کیا ہے اور قرار دیا ہے کہ طلاق کے فوراً بعد عدت گزارے بغیر سیدہ ازواج مطہرات میں شامل ہو گئی تھیں۔ شیخ الحدیث و التفسیر مولانا سید محمد حسین شاہ نیلوئیؒ لکھتے ہیں کہ:

”ہمارے پیر و مرشد حضرت شیخ الوافی قدس سرہ نے بلغة الحیران ص ۲۶۵ میں لکھا ہے کہ: ”مدخولہ ہونا زینبؓ کا کوئی ثابت نہیں ہے“۔ اس پر بعض علمائے کرام کو اعتراض ہے اور وہ یہ ہے کہ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۴۶۰ میں حدیث ہے کہ حضرت زینبؓ نے زید بن حارثہ کے طلاق دینے کے بعد طلاق کی عدت گزاری۔ الفاظ حدیث کے یہ ہیں: ”لما انقضت علة زينب قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لزید.....“ یعنی جب حضرت زینبؓ کی عدت گزر گئی تب حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ کو فرمایا: سو اس کا جواب یہ ہے کہ امام مسلم کا شیخ اس حدیث میں محمد بن حاتم بن میمون ہے جس سے مسلم وابوداؤد کے سوا

کسی محدث نے روایت نہیں کی عمرو بن علی نے کہا: ”لیس بشی“ اور ابن معین نے تو صاف لفظوں میں اسے کذاب کہا ہے۔ (تہذیب الہند جلد ۹ ص ۱۰۲)

پھر محمد بن حاتم کے شیخ بنہر بن اسد کے بارے (میں) ازدی نے کہا ہے:

”کان یحامل علی عثمان رضی اللہ عنہ“ حضرت عثمانؓ پر حملے کرتا تھا۔ اگرچہ امام ذہبی نے میزان الاعتدال جلد اول ص ۳۵۳ میں فرمادیا ہے کہ: جہاں تک میرے علم کا تعلق ہے بنہر میں کوئی عیب نہیں ہے مگر ازدی ثبت ہے۔ ثبت کو فانی اور ساکت پر اور جرح کو تعدیل پر مقدم سمجھا جاتا ہے لہذا حضرت نسیبؓ کے عدت گزارنے کی کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو صحت کو پہنچی ہو۔

بلکہ عدت گزارنے کے کئی قرائن ہیں۔ ایک تو یہ کہ صاحب بحر محیط نے بعض علمائے کرام سے نقل فرمایا ہے کہ حضرت زیدؓ حضرت نسیبؓ سے استنحائے نہیں کر سکے اور خلوت صحیح نہیں ہو سکی۔

اور ابو عصمہ نوح بن ابی مریم نے اپنے اسناد کے ساتھ روایت بیان کی کہ حضرت ام المؤمنین نسیب بنت جحشؓ عمر ماتی تھیں کہ میری طرف سے میرے پاس آنے کے لئے زیدؓ راہ میں کوئی رکاوٹ تھی، خود اللہ تعالیٰ نے انہیں میرے پاس آنے سے روک رکھا تھا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت زیدؓ کا جس روز حضرت نسیبؓ کے پاس جانے کا ارادہ ہوتا تو ان کا بدن متورم ہو جاتا تھا اس لئے آپؓ حضرت نسیبؓ کے پاس جانے سے رک جاتے تھے۔

اور علامہ سید آلوسیؒ نے بھی روح المعانی پ ۲۲ ص ۲۲ میں اسی طرح تحریر فرمایا ہے۔ نیز قرآن مجید میں طلاق (قضاء و طر یعنی حاجت) کے بعد تزویج کا ذکر فرمایا گیا ہے: ”فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا“ اور طلاق کے بعد نکاح سے پہلے عدت کا ذکر نہیں فرمایا گیا۔ اب یہ موقع تھا کہ دل میں سوال اٹھے کہ طلاق کے بعد فوراً تزویج کا جو ذکر آیا ہے یہ کیوں کر ہوا؟ عدت گزارنا تو طلاق کے بعد لا بدی امر ہے۔ عدت کے دوران تو مطلقہ کا نکاح رہا دور کا معاملہ، نکاح کا تذکرہ تک نہیں کر سکتے: ”وَلَكِنْ لَّا تُؤَاخِثُوا عَنْهُنَّ سِرًّا“ (بقرہ ۲۳۵) اور آگے ہے: ”وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ“ (بقرہ ۲۳۵) تو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اس خلش کو دور فرمایا۔ اور یہ آیت مازل فرمائی اور عام قانون بیان کر دیا کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِلَّةٍ تَعْتَلُونَهَا“ (احزاب ۴۹)

غیر موسومہ مطلقہ کی کوئی عدت نہیں ہے۔ اسی قاعدہ کلیہ کے تحت حضرت نسیبؓ کا بھی حکم آگیا کہ طلاق کے بعد حضرت نسیبؓ پر کوئی عدت نہیں۔ بلکہ میرا حکم ہے کہ طلاق کے بعد فوراً نکاح کر لو۔ (حسن التفسیر المعروف بتفسیر بنی نظیر۔ محشی ”بد زئیر“ ص ۱۱۶ تا ۱۱۸)

بہر حال ”قضاء و طر“ سے بعض حضرات نے وظیفہ زوجیت مراد لیا ہے اور بعض نے طلاق وعدت مراد لی ہے۔ امام آلوسی نے بھی ”قضاء الوطر کنایہ عن الطلاق فی قتأمل“ کا قول نقل کیا ہے (روح المعانی جز ۲۴ ص ۲۵)

یہاں مؤخر الذکر مراد یعنی طلاق ہی متن آیت کے ساتھ کامل مطابقت رکھتی ہے۔ پھر اس پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت زیدؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کے باوجود طلاق کیوں دی؟ انہوں نے ”اَنْفُسِكُمْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ“ کا حکم کیوں نظر انداز کیا؟

اگر حضرت نسیبؓ اور ان کے اولیاء نے ابتداء میں ہم کفو نہ ہونے کی بناء پر حضرت زیدؓ کے لئے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام میں تا مل و تردک اظہار کیا تھا مگر سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۶ (وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونُوا لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ) کے نزول کے بعد انہوں نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا تو کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح اور صریح حکم ”اَنْفُسِكُمْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ“ کی تعمیل نہ کرنے پر حضرت زیدؓ پر آیت ۳۶ کا اطلاق نہیں ہوتا؟

اگر طلاق کو میاں بیوی کے درمیان ذاتی معاملہ قرار دیا جائے تو کیا نکاح ایک عورت کا ذاتی اختیار رو معاملہ نہیں ہے تو پھر حضرت نسیبؓ نے آیت ۳۶ کے نزول کے بعد اپنا اختیار کیوں ترک کر دیا تھا؟ اسی طرح اگر طلاق حضرت زیدؓ کا ذاتی اختیار تھا بھی تو ”اَنْفُسِكُمْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ“ کے حکم کے بعد وہ اس سے دست بردار کیوں نہ ہوئے؟ مولانا عبدالحق حقانی دہلوی آیت ۳۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

”یہ ایک عام حکم ہے جو احکام سابقہ کے لئے سرِ ہمہر ہے۔ نہ اس میں نصب کے نکاح کا ذکر ہے نہ کسی اور کا۔ مگر مفسرین نے اپنی عادت کے موافق (کہ وہ آیت کے معنی سے چسپاں کرنے کے لئے کوئی قصہ یا واقعہ خواہ مخواہ گھڑ کر اس آیت کو اسی پر ڈھال دیا کرتے ہیں گویا یہ آیت خاص اسی کے لئے نازل ہوئی ہے) یہ روایت کیا ہے کہ اس آیت کے مائل ہونے کے بعد نصب نے زید سے نکاح کرنا منظور کر لیا اور ان کی باہم شادی ہو گئی“ (تفسیر حقانی جلد ۶ ص ۹۱)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت زیدؓ آیت ۳۶، ۳۷ کی خلاف ورزی کے ہرگز مرتکب نہیں ہوئے اور انہوں نے طلاق کا فیصلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت اور حضرت زینبؓ کے ساتھ مشاورت کے بعد کیا تھا۔

مولانا محمد عاشق الہی بلند شہری لکھتے ہیں کہ: ”اور آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے انہوں نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی“ (امت مسلمہ کی مائیں ص ۱۰۳)

مولانا عبدالمعبدو صاحب لکھتے ہیں کہ:

”جب سیدنا زیدؓ ان سے اکتا گئے اور بہت تنگ ہو گئے تو پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے طلاق کی اجازت مانگی۔ آپؐ نے پھر بھانے کی تلقین فرمائی۔ آپؐ بھی اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ طلاق کے بغیر کوئی چارہ نہیں، بالآخر طلاق کی اجازت دے دی اور حضرت زیدؓ نے طلاق کے ذریعے اپنا ازدواجی تعلق منقطع کر لیا۔“ (سیرت امہات المؤمنین ص ۶۴۴)

روح المعانی کے حوالے سے یہ روایت پیچھے گزر چکی ہے کہ حضرت زیدؓ نے حضرت زینبؓ سے طلاق کا ذکر کیا تھا جس سے انہوں نے اپنی ناپسندیدگی ظاہر نہیں فرمائی۔ ملاحظہ ہو روح المعانی جزء ۲۲ ص ۲۵۔

مولانا محمد منظور نعمانی کے بیٹے مولانا محمد زکریا سنبھلی لکھتے ہیں کہ:

”عبداللہ بن جحشؓ اور زینبؓ نے ابتداء رشتہ نام منظور کیا۔ ”وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ...“ کے نزول کے بعد رشتہ منظور ہو گیا لیکن منافقین نے عدم کفایت کا پروپیگنڈا کیا جس سے زینبؓ کے دل پر ان باتوں کا اثر ہوا۔ احساسِ برتری، تیز مزاجی تو پہلے سے موجود تھی پھر ممکن ہے کہ وہ (زیدؓ) یہ بھی سمجھتے ہوں کہ زینبؓ کی خواہش بھی رشتہ ختم کر دینے

ہی کی ہے۔ اس طرح رشتہ کے ختم ہونے سے دونوں کو راحت مل جائے گی.....
لیکن حضرت زیدؓ کی حالت حد اضطراب کو پہنچ گئی۔ اب نکاح کو باقی رکھنا شرعاً درست نہ تھا لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کی اجازت دے دی۔ (معارف الحدیث جلد ۷ شتم، ص ۳۶۶، ۳۶۸)

جمہور مفسرین کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت زیدؓ کو طلاق نہ دینے کا حکم دے رہے تھے اسی وقت اپنے دل میں ان سے نکاح کی خواہش چھپا رکھی تھی حالانکہ اس وقت وہ حضرت زیدؓ کی منکوحہ تھیں کسی کی منکوحہ کے بارے میں اس طرح کی سوچ رکھنا عام آدمی کے لئے بھی مناسب نہیں ہے تو پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیوں کر اس سوچ کے مرتکب ہو سکتے تھے؟

اللہ تعالیٰ نے صرف یہود یا مطلقہ (جس سے سابقہ شوہر کے لئے حق رجوع ختم ہو چکا ہو) عورت کے بارے میں اس بات کی اجازت دی ہے کہ عدت کے دوران، ان سے اشارے کنایے میں نکاح کی بات ہو سکتی ہے یا دل میں اس خیال و ارادہ کو پوشیدہ رکھا جاسکتا ہے۔

”وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنُتُمْ فِيهِ أَنْتُمْ سَلَمٌ عَلَى اللَّهِ أَنْتُمْ سَلَمٌ كَرُّوْهُنَّ وَلَكِنْ لَا تُؤَاعِلُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَفُوٌّ فَهِيمٌ“ (البقرة آیت ۲۳۵)

اور کوئی گناہ نہیں تم پر اس بات میں کہ اشارہ سے پیغام نکاح دو ان عورتوں کو یا جو چھپائے ہو تم اپنے دلوں میں۔ جانتا ہے اللہ تعالیٰ کہ تم ضرور ان کا ذکر کرو گے۔ البتہ نہ وعدہ لیما ان سے خفیہ طور پر بھی مگر یہ کہ ہو (ان سے) شریعت کے مطابق کوئی بات اور نہ لگی کر لو نکاح کی گرہ یہاں تک کہ پہنچ جائے عدت اپنی انتہا کو اور جان لو کہ یقیناً اللہ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ سو اس سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا حلیم والا ہے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زینبؓ کی دل جوئی اور سب سے بڑھ کر ”رسمِ تنہیت“ کے خاتمہ کی خاطر ان کے ساتھ نکاح سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کوئی بات

آئی بھی تھی تو اس کا موقع طلاق کے بعد تھا نہ کہ ”اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ...“ فرماتے وقت۔

طلاق واقع ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

”وَوَجَّعْنَا لَهَا لِسَانًا لَا يَكُونُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرْجٌ فِي زَوَاجٍ اَدْعَيْتَاهُمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۖ وَكَانَ اَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا“

ہم نے اس (نہیبؑ) کا آپ سے نکاح کر دیا تاکہ (اس عملی سنت کے بعد) ایمان والوں پر کوئی حرج نہ ہو اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں جب وہ انہیں طلاق دینے کا وعدہ پورا کر لیں اور اللہ کا حکم تو ہر حال میں ہو کر رہتا ہے۔

”وَوَجَّعْنَا لَهَا“ کے تحت بعض حضرات نے لکھا ہے کہ طلاق کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کا حضرت نہیبؑ سے آسمان پر نکاح کر دیا چونکہ وہ ”غیر مدخولہ“ تھیں اس لئے عدت گزارنے کی ضرورت ہی نہ تھی جبکہ جمہور مفسرین کے نزدیک بعد از انقضائے عدت آپ کا حضرت نہیبؑ کے ساتھ نکاح ہوا۔

نکاح کے ضمن میں دوسرا اختلاف یہ ہے کہ ایک قلیل گروہ کے نزدیک آسمانی نکاح کے بعد حسب دستور زمین پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چار سو درہم مہر کے عوض باضابطہ نکاح ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو: سیرت ابن ہشام۔

جبکہ جمہور مفسرین و محدثین کے نزدیک روایات کی کثرت اور اصحیت کی بنیاد پر زمین پر نکاح نہیں ہوا اور آسمانی نکاح ہی کافی سمجھا گیا۔

امام ابن کثیر ”وَوَجَّعْنَا لَهَا“ کے تحت لکھتے ہیں کہ:- ”وَكَانَ اَلَّذِي وَلِيَ تَزْوِيجَهَا مِنْهُ هُوَ اَللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بِمَعْنٰى اَنَّهُ اَوْحٰى اِلَيْهِ اَنْ يَدْخُلَ عَلَيْهَا بِاَوْلٰى وَلَا عَقْد وَلَا مَهْر وَلَا شَهَادَ مِنْ الْبَشَرِ۔“ (تفسیر القرآن العظیم جلد ۳ ص ۹۳-۹۴ طبع بیروت)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت نہیبؑ کے نکاح کے ولی خود اللہ تعالیٰ ہیں اس معنی میں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا ولی و نکاح و مہر و کواہ حضرت نہیبؑ کے پاس جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آسمانی نکاح کے بعد حضرت نہیبؑ سے اجازت لئے بغیر اچانک ان کے ہاں تشریف لے گئے۔

علامہ آلوسی نے طبرانی، بیہقی و ابن عساکر کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں خود حضرت نہیبؑ کی زبانی یہ بتایا گیا ہے کہ: ”طَلَّقْنِي زَيْدًا فَتِ طَلَاقي فَلَمَّا انْقَضَتْ عِدَّتِي لَمْ اَشْعُرْ اِلَّا وَالنَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَدْ دَخَلَ عَلَيَّ وَاَنَا مَكْشُوفَةٌ الشَّعْرَ فَقُلْتُ: هَذَا مِنَ السَّمَاءِ دَخَلَتْ يَارَسُولَ اللَّهِ بِلا خطبة ولا شهادة فقال: الله تعالى المزوج و جبريل الشاهد...“ (روح المعاني جزء ۲۲ ص ۲۶)

مجھے زیدؑ نے طلاق دے دی پھر جب میری عدت پوری ہو گئی مجھے محسوس ہی نہیں ہوا کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آ گئے اس وقت میں نگے سر بیٹھی ہوئی تھی تو میں نے کہا: کیا آپ آسمانی حکم سے اس طرح بلا نکاح و کواہ میرے پاس تشریف لائے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نکاح کرانے والے تھے اور جبریل کواہ تھے۔

صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

”ونزل القرآن وجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فدخل عليها بغير إذن...“ (صحیح مسلم۔ کتاب النکاح باب زواج نہیب بنت جحش جلد ۱ ص ۲۶۱)

اور قرآن کی آیت ”وَوَجَّعْنَا لَهَا“ نازل ہوئی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور حضرت نہیبؑ کے پاس بغیر اجازت چلے گئے۔

علامہ جلال الدین محلی ”وَوَجَّعْنَا لَهَا“ کے تحت لکھتے ہیں:

”فدخل عليها النبي صلى الله عليه وسلم بغير إذن...“ (جلالین ص ۳۸۱)

جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بلا اجازت حضرت نہیبؑ کے پاس چلے گئے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ”وَوَجَّعْنَا لَهَا...“ کے نزول کے بعد بلا اجازت اور بلا ولی و نکاح و مہر و کواہ حضرت نہیبؑ کے پاس اچانک تشریف لے گئے۔

جبکہ صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عدت پوری ہونے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؑ سے کہا کہ تم خود جا کر نہیبؑ کو میرے ساتھ نکاح کا پیغام دو۔ چنانچہ حضرت زیدؑ ان کے پاس گئے اس وقت وہ آٹا گوندھ رہی تھیں۔ زیدؑ کہتے ہیں کہ اس خیال سے

امام طبری --- کون؟

جمہور مفسرین کے متضاد اقوال

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کی خواہش کا اظہار کیا ہے تو ان کی عظمت میرے دل میں بیٹھ گئی اور میں ان کی طرف دیکھنے کی استطاعت نہیں رکھتا تھا سو میں نے ان کی طرف پیچھے کی اور دوسری طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا اور کہا: اے نذیب! ”ارسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکرک، قالت: ما انا بصانعة شیئا حتی اُوامر ربی فقامت إلی مسجدھا و نزل القرآن وجاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدخل علیھا بغير اذن“

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نکاح کا پیغام دے کر) بھیجا ہے وہ آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔ سیدہؓ نے جواب دیا کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتی جب تک میں اپنے رب سے مشورہ یعنی استخارہ نہ کر لوں۔ پس وہ اپنے گھر کی مسجد کی طرف اٹھ کھڑی ہوئیں تو اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کی آیت اتاری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور بلا اجازت حضرت زینبؓ کے پاس چلے گئے۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۴۶۰۔ ۴۶۱، سنن نسائی۔ رقم الحدیث ۳۲۵۱، مسند احمد۔ رقم الحدیث ۱۲۹۵۹، الطبقات الکبریٰ جلد ۸ ص ۸۲، المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۲۳، اسد الغابہ جلد ۷ ص ۱۲۶)

اس موقع پر یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نکاح کا پیغام دیئے جانے کے بعد (بشرط صحیح روایت) حضرت زینبؓ کی یہ بات یقیناً قابل غور ہے کہ میں اپنے رب سے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کرتی ایسی بات انہوں نے اس وقت نہیں فرمائی تھی جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کے لئے ان کا رشتہ طلب کیا تھا بلکہ اس وقت تو یہ پیغام سنتے ہی انکار کر دیا تھا پھر سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۶ کے نزول کے بعد اپنا فیصلہ تبدیل کیا۔ مفسرین کرام نے حضرت زیدؓ کے ذریعے پیغام بھیجنے کا مقصد یہ بتایا ہے: تاکہ یہ امر خوب واضح ہو جائے کہ یہ جو کچھ ہوا وہ زیدؓ کی رضا مندی سے ہوا ہے۔ یہ ”مقصد“ تو تحصیل حاصل تھا کیونکہ حضرت زیدؓ حضرت زینبؓ کو طلاق دینے کا مشورہ لینے سے پہلے بقول ”امام المفسرین“ جناب طبری، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیش کش کر چکے تھے بلکہ صاحب روح المعانی کے مطابق حضرت زینبؓ کو بھی اعتماد میں لے لیا تھا جس پر انہوں نے

امام طبری --- کون؟

جمہور مفسرین کے متضاد اقوال

صرف اس خدشہ کا اظہار کیا تھا کہ طلاق کے بعد ہو سکتا ہے کہ آپؐ مجھ سے شادی نہ کریں۔ علاوہ ازیں صحیح مسلم کی مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان پر نکاح بعد میں ہوا جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق و انقضائے عدت کے بعد حضرت زیدؓ کے ذریعے پیغام نکاح پہلے ہی بھیج دیا تھا جس کے جواب میں سیدہ زینبؓ نے کہا تھا کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتی جب تک میں اپنے رب سے مشورہ نہ کر لوں۔ پھر وہ اپنے گھر کی عبادت گاہ کی طرف اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت زیدؓ یہ جواب سن کر واپس آ گئے ہوں گے مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ جواب پہنچنے سے پہلے ہی ”وَوَجَدُكَ كَهَاتَا“ کا نزول ہوا اور آپؐ بلا اذن اور بلا ولی و نکاح و مہر و کواہ اچانک حضرت زینبؓ کے پاس چلے گئے۔ جب سیدہؓ نے بلا نکاح و کواہ اور اس طرح تشریف لانے پر حیرت کا اظہار کیا تو آپؐ نے فرمایا: ”اللہ المزوج و جبریل الشاهد“ اللہ تعالیٰ نکاح کرانے والے ہیں اور جبریل کواہ ہیں۔ مفسرین کرام کی رائے کے مطابق ”وَوَجَدُكَ كَهَاتَا“ کے ذریعے اس بات پر عتاب ہوا تھا کہ آپؐ کو جب یہ بتا دیا گیا ہے کہ زینبؓ آپؐ کے نکاح میں آنے والی ہیں تو پھر آپؐ نے وحی کو چھپا کر زیدؓ کو طلاق نہ دینے کا مشورہ کیوں دیا؟

سخت حیرت ہے کہ آپؐ نے باضابطہ طلاق اور انقضائے عدت کے بعد بھی حضرت زیدؓ یا کسی دوسرے ذریعے سے بھی حضرت زینبؓ کو اس وحی سے آگاہ نہیں فرمایا (جس پر پہلے ہی عتاب ہو چکا تھا) اگر انہیں اس وحی سے آگاہ کیا ہوتا تو پھر وہ نکاح کا پیغام ملنے کے بعد استخارہ کرنے کا کیوں فرماتیں؟

اس روایت سے اس بات پر کوئی روشنی نہیں پڑتی کہ سیدہ کو ”استخارہ“ کا کیا جواب ملا؟ جبکہ دوسری طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ”وَوَجَدُكَ كَهَاتَا“ کا نزول ہو گیا اور آپؐ بلا اذن و نکاح ان کے پاس تشریف لے آئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ایک یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ آیت ۳۷ کا نزول حضرت عائشہؓ کے گھر میں ہوا تو آپؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: کون ہے کہ جو جا کر زینبؓ کو بشارت

سنائے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں آپؐ نے جب یہ آیت: ”وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ“ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا لِكَفٍّ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا“ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا“ تلاوت فرمائی تو مجھے یہ خیال آیا کہ زینبؓ میں جمال تو تھا ہی اب وہ اس بات پر بھی فخر کریں گی کہ ان کا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسان پر کیا ہے۔

اس راویت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ کے پاس جانے سے پہلے قاصد کے ذریعہ سے حضرت زینبؓ کو اطلاع کر دی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نکاح کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی ہے۔ چنانچہ جس وقت حضرت زینبؓ کو یہ اطلاع پہنچی تو انہوں نے سجدہ شکر ادا کیا۔ ”کما رواہ ابن سعد عن ابن عباس بسند ضعیف“۔ ملاحظہ ہو: الاصابہ جلد ۴ ص ۳۱۳ تحت زینب بنت جحش۔ رقم ۴۷۰۔

مولانا امیر حمزہ سیدہ زینبؓ کے نکاح کے بارے میں لکھتے ہیں:

جی ہاں! وہ رب سے مشورہ کر رہی تھیں، ادھر قرآن نازل ہو چکا تھا، عرش والا رب اپنے نبی کا نکاح عرش پر کر چکا تھا۔ چنانچہ اللہ کے فیصلہ کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے حضرت زینبؓ کے پاس گئے اب وہ ان کی بیوی تھیں، اجازت لینے کی حاجت نہ تھی لہذا آپ سیدھے اندر گئے۔ حضرت زینبؓ کو رب کریم کے حکم سے آگاہ فرمایا اور یوں اب دونوں میاں بیوی تھے۔

جی ہاں! نہ ایجاب تھا نہ قبول تھا، نہ انسان کواد تھے، نہ کوئی (نکاح کا) ولی تھا۔ سبحان اللہ! کیا کہنے حضرت زینبؓ کے مقدر کے۔ وہ فخر کیا کرتی تھیں تو بجا کہ ان کا نکاح اللہ نے عرش پر کیا تھا“ (سیرت کے سچے موتی ص ۳۳۰)

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ جمہور مفسرین اور ارباب سیرت کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زینبؓ سے نکاح زمین پر نہیں ہوا اور آپؐ ”زَوَّجْنَاهَا“ کے نزول کے بعد بلا اذن و بلا نکاح و مہر و کواہ حضرت زینبؓ کے پاس چلے گئے۔ جبکہ سیرت ابن

ہشام کے مطابق زمین پر بھی آپؐ کا باضابطہ نکاح ہوا تھا۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”اور ”زَوَّجْنَاهَا“ کے لفظی معنی یہ ہیں کہ ہم نے ان کا نکاح آپؐ سے کر دیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نکاح کو یہ امتیاز بخشا کہ خود ہی نکاح کر دیا جو عام شرائط نکاح سے مستثنیٰ رہا اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں ہم نے اس نکاح کا حکم دے دیا اب آپ شرعی قواعد و شرائط کے مطابق ان سے نکاح کر لیں۔ حضرات مفسرین میں بعض نے پہلے احتمال کو ترجیح دی، بعض نے دوسرے احتمال کو۔ اور حضرت زینبؓ کا دوسری عورتوں کے سامنے یہ فرمانا کہ تمہارا نکاح تو تمہارے والدین نے کیا، میرا نکاح خود اللہ تعالیٰ نے آسان پر کیا۔ جیسا کہ روایات میں آیا ہے۔ یہ دونوں صورتوں میں صادق ہے۔ پہلی صورت میں زیادہ واضح ہے اور دوسری صورت بھی اس کے منافی نہیں۔“ (معارف القرآن جلد ہفتم ص ۱۵۶)

مفسرین کرام نے ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ“ کے تحت جو یہ لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینبؓ کو طلاق نہ دینے کا مشورہ دے رہے تھے مگر اپنے دل میں ”ارادہ نکاح“ کو چھپا رکھا تھا۔

لیکن ”زَوَّجْنَاهَا“ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نکاح کرنا خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر تھا اور جب اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر کوئی کام فرض کر دے تو اسے وہ کام کر کے ہی رہنا ہوتا ہے خواہ ساری دنیا اس کی مخالفت پر ٹل گئی ہو۔ لہذا اس نکاح کے لئے جو داستانیں اور قصص وضع کئے گئے ہیں وہ زنا و قدح و ملاحدہ اور دشمنان اسلام کی دریدہ دہنیوں کا نتیجہ ہیں جنہیں بعض مفسرین نے اپنی تفاسیر میں نقل کر دیا ہے۔

زیر بحث عنوان کے تحت ایک ہی آیت (سورۃ الاحزاب ۳۷) کی تفسیر میں جمہور مفسرین کے متضاد اقوال سامنے آئے ہیں اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جن میں تطبیق کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی ایک قول ہی صحیح ہو سکتا ہے۔ البتہ نکاح سے متعلق اقوال میں تطبیق ممکن ہے کہ آسان پر نکاح ہو جانے کے بعد باقاعدہ زمین پر

بھی نکاح ہوا ہے اور یہ ”زَوَّجْنَاهَا“ کے معنی نہیں ہے۔

علامہ محمود آلوسی لکھتے ہیں کہ:

”وقیل: المراد بزواجنا کما أمرناک بتزوجها“ (روح المعانی جز ۲۴ ص ۲۶)

اور کہا گیا ہے کہ ”زَوَّجْنَاهَا“ سے مراد یہ ہے کہ ہم نے آپؐ کو حضرت زینبؓ کے ساتھ نکاح کرنے کا حکم دیا ہے۔

ابوالبرکات مولانا حکیم عبدالرؤف دانا پوری لکھتے ہیں کہ:

”ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ زینبؓ کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوالاحمد بن جحش نے کیا تھا۔ ممکن ہے کہ پھر یہ بھی ہوا ہو لیکن صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ یہی ہیں کہ نزولِ آیت کے بعد حضورؐ بلا اذن زینبؓ کے پاس داخل ہوئے“ (صحیح السیر فی ہدی خیر البشر ص ۶۲۸)

مگر جمہور مفسرین نے اسی بات پر اتفاق کیا ہے کہ آسمانی نکاح کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بلا اذن اور بلا نکاح و مہر و گواہ حضرت زینبؓ کے پاس چلے گئے اور ان کی حیرت و استفسار پر فرمایا: ”اللہ المزوج و جبریل الشاهد“

امام ابن جوزی حنبلی (م ۵۹۷ھ) لکھتے ہیں: ”اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے یہ چیز ہے کہ آپؐ کو یہ اجازت دی گئی کہ آپؐ بغیر مہر کے نکاح کر لیں تاکہ آپؐ کی ازواج مطہرات خلوص سے آپؐ کا قصد کریں نہ کہ مہر کے عوض اور آپؐ سے تخفیف ہو، اور ولی کی اجازت کے بغیر بھی آپؐ کو نکاح کی اجازت دی گئی ہے۔ اسی طرح سے آپؐ اپنے نکاح میں گواہوں کے حاضر ہونے سے بھی مستغنی ہیں، اسی وجہ سے حضرت زینبؓ دیگر ازواج مطہرات سے فخر سے یہ کہتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے گھر والوں نے کیا ہے اور میرا نکاح اللہ عزوجل نے کیا ہے۔“ (زاد المسیر جلد ۶ ص ۳۹۱ طبع بیروت ۱۴۰۷ھ)

امام ابن جوزی نے کیا ہی ”عجیب“ دلیل دی ہے کہ حضرت زینبؓ سے بلا مہر اس لئے نکاح ہوا تاکہ آپؐ کی ازواج مطہرات خلوص سے آپؐ کا قصد کریں نہ کہ مہر کے عوض۔“

بقول جمہور مفسرین: مہر سے استثنائی تو حضرت زینبؓ کو حاصل ہوا جبکہ باقی تمام ازواج

مطہرات کے مہر ادا کئے گئے۔ کیا جن کے مہر ادا ہوئے انہوں نے خلوص سے قصد نہیں کیا تھا؟

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں کہ: ”جب زینبؓ نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا تو اللہ تعالیٰ ان کے نکاح کا خود ولی ہو گیا اور اس لئے فرمایا: ہم نے آپؐ سے ان کا نکاح کر دیا۔

امام جعفر بن محمد نے اپنے آباء سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ اس نے آپؐ کا نکاح حضرت زینبؓ سے کر دیا تو آپؐ بغیر اجازت کے حضرت زینبؓ کے پاس چلے گئے، کسی عقد نکاح کی تجدید کی گئی نہ کوئی مہر مقرر کیا گیا اور نہ ان شرائط میں سے کوئی چیز تھی جو ہمارے نکاحوں میں ہوتی ہے۔ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان خصوصیات میں سے ہے جن میں آپؐ کا کوئی شریک نہیں۔ اسی وجہ سے حضرت زینبؓ دوسری ازواج سے بطور فخر یہ کہتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے گھر والوں نے کیا ہے اور میرا نکاح آسمان پر اللہ عزوجل نے کیا ہے۔“

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۱۷۵ طبع دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

الغرض سورۃ الاحزاب آیت ۳۷ کی تفسیر میں جمہور مفسرین کے اقوال سے آیت کا صحیح مفہوم واضح نہیں ہو رہا۔ انہیں بعینہ تسلیم کرنے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ زینبؓ دونوں کا کردار داغ دار اور مجروح ہو رہا ہے۔ (اس کی مزید تفصیل آگے آ رہی ہے)

کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کا اخفاء کیا تھا؟

جمہور مفسرین نے ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ“ کے تحت حضرت علی بن حسین (زین العابدینؑ) کی تفسیر کو سب سے زیادہ صحیح قرار دے کر اسے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ اس تفسیر کی رو سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ”اخفاء وحی“ کا الزام عائد ہوتا ہے۔ آئیے دیکھتے ہیں کہ کیا اس قسم کی روایت کی بناء پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ”اخفاء وحی“ کا مرتکب قرار دیا جاسکتا ہے؟

علامہ آلوسی نے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے کہ:

أخرج الحكيم الترمذي وغيره عن علي بن الحسين رضي الله تعالى عنهما ما أوحى الله تعالى به إليه أن زينب سيطلقها زيد و يتزوجها بعد عليه الصلوة والسلام۔ والى هذا ذهب أهل التحقيق من المفسرين كالزهرى وبكر بن العلاء والقشيري والقاضي أبي بكر بن العربي وغيرهم (روح المعاني جزء ۲۴ ص ۲۴)

حکیم ترمذی وغیرہ علی بن حسین (زین العابدین) سے روایت کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ وحی فرمائی کہ حضرت زیدؓ، حضرت زینبؓ کو عنقریب طلاق دے دیں گے اس کے بعد آپ ان سے نکاح کریں گے۔ مفسرین میں سے اہل تحقیق کا یہی قول ہے مثلاً: زہری، بکر بن العلاء، قشیری، قاضی ابوبکر بن العربی وغیرہ ہم۔

مولانا محمد انور شاہ کاشمیریؒ نے بھی حضرت زین العابدینؑ کی اسی تفسیر کو صحیح قرار دیا

ہے۔ ملاحظہ ہو: فیض الباری جلد ۴ ص ۲۲۰-۲۲۱

امام ابوعلی محمد بن عیسیٰ ترمذی (م ۲۷۹ھ) مشہور محدث اور ”سنن ترمذی“ کے جامع ہیں جبکہ حکیم ترمذی کا نام ابی عبداللہ محمد بن علی بن حسن بن بشیر المودن الحکیم الترمذی ہے۔ یہ ۵۰۵ھ

میں فوت ہوئے۔ ان کی مشہور تصنیف کا نام نوادر الاصول ہے۔ اس میں موضوع احادیث کی کثرت ہے۔ بعض لوگ ”ترمذی“ کے لفظ سے دھوکا کھا کر حکیم ترمذی کو امام ترمذی اور نوادر الاصول کو امام ترمذی کی تصنیف سمجھ لیتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس روایت میں ایک سقم یہ بھی ہے کہ حکیم ترمذی کا سن وفات ۵۰۵ھ ہے جبکہ زین العابدینؑ ۸ محرم ۹۴ھ کو فوت ہوئے۔

امام طبری نے یہ روایت اس سند کے ساتھ نقل کی ہے کہ:

حدثنا خلاد بن اسلم، قال ثنا سفيان بن عيينة عن علي بن زيد بن جدعان عن علي بن حسين قال: كان الله تبارك و تعالى أعلم نبيه صلى الله عليه وسلم أن زينب ستكون من أزواجه، فلما أتاه زيد يشكوها قال: اتق الله و أمسك عليك زوجك. قال الله ”وتخفي في نفسك ما الله مبديه“ (تفسير الطبري المجلد العاشر ص ۳۰۳، طبع بيروت تحت رقم ۲۸۵۲۱۔)

حضرت زین العابدینؑ بذات خود ثقہ ہیں لیکن ان سے اوپر کی سند غائب ہے۔ اب یہ علم نہیں ہے کہ انہوں نے یہ واقعہ کس سے سنا تھا؟ حضرت علی بن حسینؑ ۳۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۴ھ میں فوت ہوئے جبکہ حضرت زینبؓ کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زین العابدینؑ کی پیدائش سے ۳۳ سال پہلے ۵ھ میں نکاح فرمایا تھا۔

پھر حضرت زین العابدینؑ تک اس روایت کی جملہ اسانید کا مرکزی راوی علی بن زید بن جدعان ہے۔ اس ذات گرامی کے متعلق ائمہ رجال لکھتے ہیں:

حافظ ابن عدی لکھتے ہیں: ”واھی الحدیث، ضعیف، لا یحتج بحدیثہ“ (اکامل فی ضعف الرجال جلد ۶ ص ۳۳۵)

یہ راوی وہی الحدیث ہے، ضعیف ہے اور اس کی روایت سے احتجاج واستدلال نہیں کیا جاتا۔

یہ موقوف روایات کو مرفوع بنانا تھا۔ امام حماد بن زید کہتے ہیں: ”کان یقلب الاحادیث“ یہ احادیث کو الٹ پلٹ دیتا تھا۔ امام بخاری اور امام ابو حاتم کے نزدیک ناقابل احتجاج ہے۔ امام فسوی کہتے ہیں یہ اختلاط کا مرلیض تھا۔ امام ابن خزیمہ کہتے ہیں:

امام طبری --- کون؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کا اخفاء کیا تھا؟

اس کے حافظے کی خرابی کی بناء پر میں اس کی روایت نہیں لیتا۔

احمد بن حنبل کہتے ہیں: ”کان یتشیع“ یہ شیعہ مسلک رکھتا تھا۔

یزید بن ذریج کہتے ہیں: ”لقد رأيت علي بن زيد ولم احمل عنه فانه كان

رافضيا“ میں نے علی بن زید کو دیکھا تو ہے مگر اس سے کوئی روایت نہیں لی کیونکہ وہ رافضی تھا۔

علی بن زید کے مفصل حالات جاننے کے لئے ملاحظہ فرمائیں: تہذیب الکمال فی

اسماء الرجال للحافظ مزی جلد ۱۳ ص ۲۶۹، میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۱۲۷، تہذیب التہذیب

جلد ۷ ص ۲۵۸

سخت تعجب ہے کہ جمہور مفسرین نے اس کردار کے حامل راوی کی روایت کو قبول کر لیا

جس کی رو سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اخفاء وحی اور العیا ذبا للہ ثم العیا ذبا للہ ”تھیہ و نفاق“

کا الزام عائد ہوتا ہے کہ بظاہر آپ حضرت زید کو طلاق نہ دینے کا مشورہ دے رہے تھے جبکہ

اپنے دل میں یہ خواہش لئے ہوئے تھے کہ زید طلاق دے دیں تاکہ میں خود زینب سے نکاح

کر لوں، اس وحی کو چھپانے پر ہی اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب فرمایا کہ

آپ کو اس سے باخبر کر چکا ہوں کہ زینب آپ کے نکاح میں آنے والی ہے تو پھر آپ نے

زید کو طلاق نہ دینے کا کیوں مشورہ دیا؟

مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”الحی صل آت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے ذاتی خیال اور اس آسمانی بخشش کوئی

(جس کا ذکر حضرت زین العابدین کی روایت میں ہے) کے اظہار سے عوام کے طعن و تشنیع

کا خیال فرما کر شرماتے تھے اور زید کو طلاق کا مشورہ دینے سے بھی حیا کرتے تھے۔“ (تفسیر

عثمانی تحت الآیہ فائدہ نمبر ۵)

قدیم و جدید جمہور مفسرین کا یہی نکتہ نظر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کو

طلاق نہ دینے کا مشورہ دیتے وقت (حضرت زین العابدین کی روایت کے مطابق) اللہ کی وحی کو

چھپایا تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے عتاب کرتے ہوئے فرمایا: ”و تَخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ“۔

امام طبری --- کون؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کا اخفاء کیا تھا؟

سوال یہ ہے کہ کیا حضرت زین العابدین کی روایت (جس کی استنادی حیثیت اور وضوح

کردی گئی ہے) کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کو طلاق

نہ دینے کا مشورہ دیتے وقت اس وحی کو چھپایا تھا جس کی وجہ سے آپ پر عتاب بھی کیا گیا۔

حضرت مفتی شفیع صاحب نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ:

”جب من جانب اللہ حضرت زینب کے ساتھ آپ کو نکاح کی خبر مل چکی اور آپ کے

دل میں ارادہ نکاح پیدا ہو چکا تو اس ارادہ کو چھپا کر ایسی رمی گفتگو (أَنْفَسَاكَ عَنْ لَيْتِكَ

زَوْجِكَ وَأَتَقَى اللَّهَ) جو آپ کی شان کے مناسب نہیں تھی، کی۔ آپ کے لئے یہ گفتگو مناسب

نہیں تھی۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی قوی تبلیغ جو سورۃ

احزاب کی پہلی آیات میں آچکی ہے اس کو کافی سمجھا اور اس کے عملی مظاہرہ کی حکمت کی طرف

نظر نہیں گئی اس لئے باوجود علم و ارادہ کے اس کو چھپایا۔ (معارف القرآن جلد ۷ ص ۱۵۶)

حضرت مفتی صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں صاف طور پر یہ فرمایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے علم و ارادہ کے باوجود اس ”تبلیغی حکم“ کو چھپایا تھا پھر جس ”وحی“ کو چھپایا گیا وہ کوئی ذاتی

نوعیت کی بھی نہیں تھی بلکہ اس کے ذریعے ”نبییت“ کی رسم بد کا خاتمہ مقصود تھا جس کے تحت اس

وقت کے سماج میں منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا اور اس کی بیوی کو حقیقی بہو کا درجہ دیا جاتا تھا۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی یہ بات یقیناً بعید از فہم ہے کہ ”ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی قوی تبلیغ جو سورۃ احزاب کی پہلی آیات میں آچکی ہے

اس کو کافی سمجھا اور اس کے عملی مظاہرہ کی حکمت کی طرف نظر نہیں گئی“

موصوف کا ”قوی تبلیغ“ کی آیات سے سورۃ احزاب کی آیت ۴-۵ کی طرف اشارہ ہے کہ

وہ آیات زیر بحث آیت ۳۷ سے بہت پہلے نازل ہوئی تھیں اور ان کے نزول کے وقت ہی نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ”قوی تبلیغ“ کے فریضہ کا حق بھی ادا کر دیا تھا جبکہ ”عملی مظاہرہ“ کا

حکم تو اس کے بہت بعد (حضرت زین العابدین کی روایت کے ذریعے) دیا گیا جسے مفتی

صاحب نے جمہور مفسرین کی تقلید و پیروی میں ”صحیح ترین“ تفسیر قرار دیا ہے (اس روایت کا روایت

امام طبری --- کون؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کا اخفاء کیا تھا؟

دورایتا غلط ہونا پیچھے بت کر دیا گیا ہے)

کیا اس طرح کی ”روایت“ سے استدلال کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام لگنا صحیح ہے کہ آپؐ نے العیاذ باللہ ”علم و ارادہ کے باوجود اس کو چھپایا“؟

کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی رضا اور منشاء کا علم ہو جانے کے بعد اس کے بالکل برعکس حضرت زید کو طلاق نہ دینے کا حکم دے سکتے تھے جس کی بناء پر آپؐ بعد میں مورد عتاب بھی ہوئے؟ العیاذ باللہ

انصاف کی بات یہ ہے کہ ان حضرات کو پہلی ”ٹھوکر“ ہی اس بات سے لگی ہے کہ انہوں نے ایک منقطع اور تابعی پر موقوف روایت کو صحیح ترین سمجھ لیا پھر اس کی رو سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مورد عتاب ٹھہراتے ہوئے آپؐ کو ”اخفاء وحی“ کا بھی مرتکب قرار دے دیا۔

بہر حال یہ روایت جسے صحیح ترین سمجھ کر جمہور مفسرین زیر بحث آیت کی تفسیر میں نقل کر رہے ہیں وہ اصول روایت و روایت کے اعتبار سے بھی ناقابل استدلال ہے۔ اس طرح کی روایات کے پیش نظر کسی طور پر بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو اللہ تعالیٰ کے ایک تبلیغ حکم کے ”اخفاء“ کا مرتکب قرار نہیں دیا جاسکتا۔

امام طبری --- کون؟

کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ڈرتے تھے؟

کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ڈرتے تھے؟

”وَتَخْشَى النَّاسَ ۖ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ“ جمہور مفسرین کے نزدیک آیت کے اس حصے میں ”اخفاء وحی“ کے سبب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عتاب کیا گیا ہے کہ آپؐ زید کو طلاق نہ دینے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دے رہے ہیں حالانکہ آپؐ نے خود اپنے دل میں اللہ کی اس وحی (ہر روایت زین العابدینؑ) کو چھپا رکھا ہے جس میں آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی آگاہ کر دیا گیا تھا کہ زید کو طلاق دیں گے اس کے بعد زینبؑ آپؐ کے نکاح میں آئیں گی اور آپؐ کے دل میں اس وحی کے مطابق نکاح کا ارادہ ہو چکا تھا۔ پھر آپؐ نے اس وحی کے برعکس زید کو طلاق نہ دینے اور اللہ سے ڈرنے کا حکم کیوں دیا؟

”وَتَخْشَى فِي نَفْسِكَ مَا لِلَّهِ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۖ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ“

اور آپؐ اپنے دل میں اس بات کو چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ ظاہر کر دینے والا ہے اور آپؐ لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ اس سے ڈرا جائے۔ مفسرین کرام نے یہاں یہ فرمایا ہے کہ اس ”وحی“ کے مطابق اگرچہ آپؐ کے دل میں حضرت زینبؑ سے نکاح کا ارادہ ہو گیا تھا لیکن زید کو اس لئے طلاق نہ دینے اور اللہ سے ڈرنے کا حکم دے رہے تھے کہ اگر انہوں نے طلاق دے دی تو پھر مجھے ان سے نکاح کرنا پڑے گا جس کی وجہ سے شرک اور منافق مجھے طعن و تشنیع کا نشانہ بنائیں گے اس پر اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب کرتے ہوئے فرمایا: جس چیز کو آپؐ اپنے دل میں چھپا رہے ہیں (یعنی نکاح) اللہ تو اسے ظاہر کر دینے والے ہیں اور آپؐ لوگوں سے ڈر کر ایسا کر رہے ہیں حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ آپؐ اس سے ڈریں۔ مفسرین نے یہاں جتنی بھی تاویلیں کی ہیں ان میں سے کوئی ایک تاویل بھی اطمینان بخش نہیں ہے۔

امام طبری --- کون؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ڈرتے تھے؟

مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ:

”أَمْسِلُ عَلَيْكَ رُوحَكَ وَأَتَّبِعُ اللَّهَ“ یعنی اپنی بی بی کو آپ اپنے نکاح میں روکیں،

طلاق نہ دیں اور خدا سے ڈریں۔۔۔

آپ کا یہ فرمانا ”أَمْسِلُ عَلَيْكَ رُوحَكَ وَأَتَّبِعُ اللَّهَ“ اپنی جگہ صحیح و درست تھا مگر من جانب اللہ ہونے والے واقعہ کا علم ہو جانے اور دل میں حضرت زینبؓ سے نکاح کا ارادہ پیدا ہو جانے کے بعد زید کو طلاق نہ دینے کی نصیحت ایک طرح کی ربی اظہار خیر خواہی کے درجہ میں تھی جو شان رسالت کے مناسب نہ تھی خصوصاً اس لئے کہ اس کے ساتھ لوگوں کے طعنوں کا اندیشہ بھی شامل تھا اس لئے آیت مذکورہ میں عتاب ان الفاظ میں نازل ہوا کہ آپؐ دل میں وہ بات چھپا رہے تھے جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا۔

جب من جانب اللہ حضرت زینبؓ کے ساتھ آپؐ کے نکاح کی خبر مل چکی اور آپؐ کے دل میں ارادہ نکاح پیدا ہو چکا تو اس ارادہ کو چھپا کر ایسی رمی گفتگو جو آپؐ کی شان کے مناسب نہیں تھی، کی اور لوگوں کے طعنوں کے اندیشہ پرفرمایا کہ آپؐ لوگوں سے ڈرنے لگے، حالانکہ ڈرنا تو آپؐ کو اللہ ہی سے سزاوار ہے۔ یعنی جب آپؐ کو یہ معلوم تھا کہ یہ معاملہ اللہ کی طرف سے ہونے والا ہے۔ اس کی مراضی کا اس میں کوئی خوف و خطر نہیں تو پھر محض لوگوں کے طعنوں سے گھبرا کر آپؐ کے لئے یہ گفتگو مناسب نہیں تھی۔ معارف القرآن جلد ۱۵ ص ۱۵۳-۱۵۴

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے زید کے مشورہ (طلاق) سے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ زید کے طلاق دینے کے بعد آپؐ کو سیدہ زینبؓ سے نکاح کرنا ہوگا تا کہ رسم تنہیت کا خاتمہ ہو۔ آپؐ مخالفین کے طعنوں سے ڈرتے تھے کہ آپؐ نے تنہیتی کی مطلقہ سے نکاح کر لیا ہے۔“ (آسان ترجمہ قرآن تحت لآیہ)

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف صاحب اس آیت کے تفسیری حاشیہ میں لکھتے ہیں:

”دل میں چھپانے والی بات یہی تھی جو آپؐ کو حضرت زینبؓ سے نکاح کی بابت بذریعہ وحی (روایت زین العابدینؓ) بتلائی گئی تھی۔ آپؐ ڈرتے اس بات سے تھے کہ لوگ

امام طبری --- کون؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ڈرتے تھے؟

کہیں گے اپنی بہو سے نکاح کر لیا حالانکہ جب اللہ کو آپؐ کے ذریعے اس رسم کا خاتمہ کرنا تھا تو پھر لوگوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ آپؐ کا یہ خوف اگرچہ فطری تھا اس کے باوجود آپؐ کو تنبیہ فرمائی گئی۔“ (قرآن کریم مع اردو ترجمہ تفسیر ص ۱۱۸)

صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں:

”وَتَخَشَى النَّاسَ“ اور تمہیں لوگوں کے طعنہ کا اندیشہ تھا۔ یعنی جب حضرت زیدؓ نے زینبؓ کو طلاق دے دی تو آپؐ کو لوگوں کے طعن کا اندیشہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تو ہے حضرت زینبؓ کے ساتھ نکاح کرنے کا اور ایسا کرنے سے لوگ طعنہ دیں گے کہ سید عالمؐ نے ایسی عورت کے ساتھ نکاح کر لیا جو ان کے منہ بولے بیٹے کے نکاح میں رہی تھی۔ مقصود یہ ہے کہ امر مباح میں بے جا طعن کرنے والوں کا کچھ اندیشہ نہ کرنا چاہئے۔“ (کنز الایمان مع تفسیری حاشیہ خزائن العرفان ص ۶۰۴-۶۰۵ تحت لآیہ)

مولانا سید مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

”آپؐ کا منشا یہ تھا کہ یہ شخص طلاق نہ دے تو میں اس بلاء میں پڑنے سے بچ جاؤں ورنہ اس کے طلاق دینے کی صورت میں مجھے حکم کی تعمیل کرنی ہوگی اور پھر مجھ پر وہ کچھڑا چھالی جائے گی کہ پناہ بخدا۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اولوالعزمی اور رضا بقضا کے جس بلند مرتبے پر دیکھنا چاہتا تھا اس کے لحاظ سے حضورؐ کی یہ بات اس کو فخر و ترنظر آئی کہ آپؐ نے قصد زید کو طلاق سے روکا تا کہ آپؐ اس کام سے بچ جائیں جس میں آپؐ کو بدنامی کا اندیشہ تھا حالانکہ اللہ ایک بڑی مصلحت کی خاطر وہ کام آپؐ سے لیٹا چاہتا تھا: ”تم لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو“ کے الفاظ صاف صاف اسی مضمون کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔“ (تفہیم القرآن جلد ۴ ص ۱۰۰)

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ لکھتے ہیں:

”اصل میں حضور علیہ السلام نے زیدؓ کو طلاق دینے سے اس لئے منع فرمایا کہ اگر زید طلاق دیدے تو زینبؓ کے دل آزرہ کا مداوا صرف اسی میں ہے کہ آپؐ خود ان سے نکاح

امام طبری۔۔۔ کون؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ڈرتے تھے؟

کرلیں لیکن یہ بھی نہیں چاہتے تھے کیونکہ اس میں منافقین کے اعتراض اور پروپیگنڈے کا ڈر تھا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اس رسم جاہلیت کو خود آپ کے اپنے عمل سے ختم کرے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنبیہ فرمائی کہ آپ لوگوں کے اعتراض سے ڈرتے ہیں حالانکہ آپ کو اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرنا چاہئے۔“ (تفسیر جوامع القرآن جلد سوم ص ۹۴۰)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ چہرہ مفسرین کے نزدیک ”وَتَخْشَى النَّاسَ“ کے مخاطب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ نے لوگوں کے ڈر کی وجہ سے ”جی“ کو دل میں چھپایا تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے عتاب کرتے ہوئے فرمایا:

آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ صرف اسی سے ڈرا جائے۔ روزنامہ اسلام کے فاضل کالم نگار مولانا اسماعیل رحمان صاحب قصہ زید و زینب سے متعلق طبری کی روایت کا دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”... اُمت کا کبھی بھی یہ عقیدہ نہیں رہا کہ پیغمبر اپنے تمام کمالات و امتیازات کے باوصف بشری خصوصیات سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ انبیاء کرام کو نیند آتی تھی، بھوک لگتی تھی، وہ کھاتے پیتے تھے، خرید و فروخت کرتے تھے۔ انہیں غصہ بھی آتا تھا، رنج بھی ہوتا تھا...،... پیغمبروں کو ڈر اور خوف سے بھی سابقہ پڑتا تھا: (فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ) ”پھر وہ (موسیٰ علیہ السلام) صبح کو آئے شہر میں ڈرتے ہوئے اور محتاط (القصص: ۱۷)۔“ (روزنامہ اسلام ۹ اگست ۲۰۱۵ء)

(موصوف نے سورۃ القصص کی مجولہ آیت کا نمبر ۱۷ دیا ہے جبکہ اس کا نمبر ۱۸ ہے۔) یہ صحیح ہے کہ انبیاء کرام بشری خصوصیات سے بے نیاز نہیں ہوتے لیکن قطع نظر ”خوف و خشیت“ کے فرق کے خوف موسیٰ کو خوف مصطفیٰ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام سے تو غیر ارادی طور پر ایک شخص کا قتل سرزد ہو گیا تھا جس کی وجہ سے انہیں بجا طور پر راز کے افشاء ہونے اور اپنی گرفتاری کا اندیشہ تھا۔ جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی بھی قابل اعتراض فعل کا وقوع عمل میں ہی نہیں آیا تھا۔

علاوہ ازیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جس ”خوف“ کو منسوب کیا جا رہا ہے

امام طبری۔۔۔ کون؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ڈرتے تھے؟

اس کا تعلق ”اخفاء وحی اور امر شرعی“ کے ساتھ ہے جو کسی بھی پیغمبر کے شایان شان نہیں ہے۔ بہر حال مفسرین نے سورۃ الاحزاب آیت ۳۷ کی جو تفسیر کی ہے اس سے دو اشکال پیدا ہوتے ہیں۔ ایک ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ“ کے تحت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر العیا ذ باللہ منافقت اور اخفاء وحی کا الزام عائد ہوتا ہے جس کی وضاحت گذشتہ عنوان کے تحت گذر چکی ہے۔

دوسرا اشکال اور اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے بجائے لوگوں سے ڈرتے تھے۔

کسی دینی، شرعی اور تبلیغی امر میں کوئی نبی بھی لوگوں سے نہیں ڈر سکتا چہ جائیکہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ تصور کر لیا جائے کہ آپ نے لوگوں سے ڈر کر وحی الہی یا ارادہ نکاح کو چھپایا تھا۔ اس پر بحث تو آگے آرہی ہے یہاں یہ بتانا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے ”اشجع الناس“ عام حالات میں بھی لوگوں سے نہیں ڈرتے تھے۔ آپ نے جس شجاعت و بہادری کا مظاہرہ کیا دنیا نے انسانیت اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

۱۔ حضرت علیؓ جیسے بہادر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں:

انا كنا اذا حمى البأس و احمرت الحدق اتقينا برسول الله صلى الله عليه وسلم فما يكون أحد اقربنا إلى العلومنه۔

جب گھمسان کا رن پڑتا اور لڑنے والوں کی آنکھوں میں خون اتر آتا، اس وقت ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اوٹ لیا کرتے تھے اور ہم میں سے سب سے آگے دشمن کی جانب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوتے تھے۔

۲۔ جنگ حنین میں دشمنوں نے پہاڑ کے درہ میں بیٹھ کر تیروں کی ایسی بارش برسائی جس نے مسلمانوں کی بارہ ہزار فوج کا رخ موڑ دیا۔ کسی نے اس واقعہ کے متعلق براء بن عازب سے پوچھا کہ کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ قال نعم لكن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يفر، ثم قال: لقد رأيته على بغلته البيضاء وأبو سفيان (بن حارث) أخذ بلجامها والنبي صلى الله عليه وسلم يقول: أنا النبي لا كذب۔

امام طبری --- کون؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ڈرتے تھے؟

براء بن عازب نے کہا: ہاں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی جگہ سے نہ ہٹے، میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفید فخر پر جلوہ افروز ہیں ابوسفیان (بن حارث بن عبدالمطلب) نے لگام پکڑ رکھی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیفرما رہے ہیں:

”أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ“

فخر پر سوار ہونا ہی ثبات واستقلال کی دلیل ہے۔ بھاگنے والا تو تیز گام گھوڑے کو پسند کیا کرتا ہے۔ سفید فخر کا انتخاب بھی مردانگی کی دلیل ہے۔ ورنہ لڑائی میں ایسے رنگ کا جانور پسند کیا جاتا ہے جو ذرا گردوغبار میں چھپ جائے، فوج کی خاکی وروی کا مدعا بھی یہی ہے۔ بارہ ہزار فوج کے منتشر ہو جانے پر میدان میں کھڑے رہنا بھی کوہِ تحمل ہی کا کام ہے۔ ایسے وقت میں خود بول بول کر اپنی شناخت دشمن کو کرانا اور اسی دعوے کو دہرانا جو حملہ آوروں کے کینہ و عداوت کا موجب تھا بھر فخر نبوت ہی کا خاصہ نور پاشی ہے۔

اسی واقعہ کے متعلق عباس عم النبی کی روایت میں ہے:

وَلَّى الْمُسْلِمُونَ مَدْبَرِينَ قَطَفَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرِكَضٍ بَغْلَتِهِ نَحْوَ الْكَفَّارِ وَأَنَا أَخِذْتُ بِلِجَامِهَا أَكْفَهَا إِزَادَةَ أَنْ لَا تَسْرِعَ وَابُوسَفْيَانَ أَخِذْتُ بِرِكَابِهِ۔

مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے، اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم فخر کو پکڑ لگانے اور دشمن کی جانب بڑھانے لگے۔ میں نے لگام اور ابوسفیان نے رکاب پکڑ لی اس ارادہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آگے بڑھنے سے روک دیں۔

صحیح مسلم میں اسی واقعہ کے متعلق پھر یہ الفاظ آئے ہیں: ”نَزَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَغْلَتِهِ“ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فخر سے اتر پڑے۔

یہ شجاعت کی غایت الغایت اور انتہاء کی بھی انتہاء ہے کہ جس کے سامنے بارہ ہزار فوج منتشر ہو رہی ہو مقابلے کے لئے اپنی سواری کو آگے لے جائے۔ پھر جب ان کی سواری کو لگام اور رکاب سے پکڑ کر آگے بڑھنے سے روکا جائے تو وہ سوار سواری ہی سے اتر پڑے۔

۳۔ صحیحین میں انس بن مالک سے روایت ہے، مدینہ میں ایک رات غل سا ہوا لوگ

امام طبری --- کون؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ڈرتے تھے؟

سبھی چھاپہ آ پڑا۔ سب لوگ مل کر آبادی سے باہر اس شور کی جانب کو چلے۔ آگے چلے تو انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوتے ہوئے ملے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار اور تلوار حائل کئے ہوئے تھے یعنی آواز سن کر سب سے پہلے اور تنہا تفتیش کو تشریف لے گئے تھے اور ہم سے فرما رہے تھے: ”لَمْ تَرَاعُوا، لَمْ تَرَاعُوا“ ڈرو نہیں، ڈرو نہیں۔

۴۔ بیعت العقبہ کے موقع پر شب تاریک اور منزل پر خطر کے خوف سے ایک قافلہ پہاڑی کی گھاٹی میں پناہ لینے پر مجبور ہو جاتا ہے اور آبادی تک پہنچنے کی جرأت نہیں کرتا ایسے وقت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر اس قافلہ کے گرد اس لئے چکر لگا رہے ہیں کہ شاید کسی شخص کو ہدایت فرما سکیں۔

۵۔ تمام دنیا کے مقابل سچے اصول کی اشاعت کے لئے کھڑے ہونا اور ایک ایسے ملک میں جہاں خون ریزی و سفاکی ہی کی حکومت تھی۔ ہر ایک، مذہبی ضلالت کا اعلان، کسریٰ و قیصر و جس کے حکمرانوں اور عرب کے جنگجو قبائل کے خشم و غضب کی پرواہ نہ کرنا شجاعت اور قوت قلب کا بہترین نمونہ دکھاتا ہے جس کی نظیر تاریخ میں ملتی مشکل ہے۔ ملاحظہ ہو: (سیرت رحمۃ اللعالمین جلد دوم ص ۳۳۲-۳۳۳)

سخت حیرت ہے کہ اس شجاعانہ کردار کی حامل شخصیت کے بارے میں جمہور مفسرین نے دوسرے اسقام کے علاوہ ایک موقوف و مقطوع روایت کی بناء پر یہاں تک لکھ دیا کہ انہوں نے لوگوں کے خوف سے اللہ کے حکم کو چھپایا جس پر اللہ نے عتاب فرمایا: ”وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ“ اور آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ اس سے ہی ڈرا جائے۔

جمہور مفسرین نے جو یہ فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملے میں لوگوں سے ڈرتے تھے وہ جوہ صحیح نہیں ہے:

اولاً:- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ“

امام طبری۔۔۔ کون؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ڈرتے تھے؟

أَذَلُّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزُّهُ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ (سورة المائدہ آیت ۵۴)

اے ایمان والو! جو کوئی تم میں سے پھرے گا اپنے دین سے تو اللہ عنقریب لاوے گا ایسی قوم کہ اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ محبت کرتے ہیں اس سے۔ نرم دل ہیں مسلمانوں پر، زبردست ہیں کافروں پر، جہاد کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے، یہ (محض) اللہ کا فضل (و کرم) ہے۔ نوازنا ہے اسے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے۔

اس آیت میں مخلص مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ تمہاری صفوں میں چھپے ہوئے منافق اگر علانیہ کفر اختیار کر لیں تو بھی اسلام کا چراغ روشن رہے گا۔ ان کی جگہ ان سے بہتر، ذہین، فہیم اور مخلص لوگ اسلام کو قبول کریں گے اور اس کی عظمت کو چار چاند لگا دیں گے۔

اس قرآنی بخش کوئی کام صدق حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے رفقاء تھے جنہیں ”قوم“ کہا گیا اور اس آیت کے مصداق تمام حضرات حسب ذیل اوصاف سے متصف تھے:

۱۔ ”يُحِبُّهُمْ“ اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتے ہیں اور یہ حضرات محبوب بارگاہ الہی ہیں یعنی اللہ نے خود انہیں اپنا پسندیدہ قرار دیا ہے۔

۲۔ ”و يُجِبُّوهُ“ اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

۳۔ ”أَذَلُّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ“ مل ایمان کے حق میں نرم اور شفیق ہیں۔

۴۔ ”أَعِزُّهُ عَلَى الْكَافِرِينَ“ کافروں پر غالب اور سخت ہیں۔

۵۔ ”يُجَاهِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ“ اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں۔

۶۔ ”وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ“ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو پرکھنے کے برابر بھی وقعت نہیں دیتے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت کریمہ میں مومنوں کی جن صفات کا ذکر فرمایا ہے ان میں سے ایک

امام طبری۔۔۔ کون؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ڈرتے تھے؟

صفت یہ ہے کہ ”لَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ“ وہ کسی ملامت کرنے والی کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔

صحابہ کرامؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں پر عہد لیا ہے ان میں سے ایک نہایت اہم بات یہ بھی شامل ہے کہ: ”وَعَلَىٰ أَنْ نَقُولَ بِالْحَقِّ أَيْمًا كَنَاءَ لَا نَخَافُ فِي اللَّهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ“ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱۹۔ کتاب الامارۃ والقضاء)

آپؐ نے اس بات پر ہم سے بیعت لی کہ ہم حق کہیں، جہاں کہیں بھی ہوں، اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کریں۔

مشکوٰۃ ہی میں بروایت حضرت ابوسعید خدریؓ اور بحوالہ ترمذی ایک طویل حدیث نقل ہوئی ہے جس کے مندرجہ ذیل الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

”لَا يَمْنَعُنْ أَحَدًا مِنْكُمْ هَيْبَةُ النَّاسِ أَنْ يَقُولَ بِحَقِّ إِذَا عَلِمَهُ۔ وَفِي رَوَايَةٍ أَنْ رَأَىٰ مِنْكَ أَنَّ يَغْيِرُهُ“ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۷۴۔ باب الأمر بالمعروف) جب تم ایک حق بات کو جاننے ہو تو لوگوں کا خوف اور رعب تمہیں اس بات کے اظہار سے مانع نہ ہو۔ اور دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اس کی اصلاح سے لوگوں کا خوف مانع نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ صحابہ کرامؓ اور مومنوں کی یہ صفت بیان فرما رہے ہیں کہ وہ کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو نصیحت فرما رہے ہیں کہ لوگوں کا رعب اور خوف حق بات کے اظہار میں مانع نہ ہو۔

یہی نہیں بلکہ اللہ کے نبیؐ خود صحابہ کرامؓ سے اس بات پر بیعت لیتے تھے کہ اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے۔ جب ایک عام، مخلص اور متقی مومن کی شان یہ ہے تو پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی لوگوں کے طعن و تشنیع اور ملامت سے گھبرا کر اور لوگوں سے ڈر کر حق بات کے اظہار اور اللہ کی وحی کا اعلان کرنے کے بجائے اسے دل میں پوشیدہ رکھیں؟

امام طبری۔۔۔ کون؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ڈرتے تھے؟

سخت تعجب ہے کہ جمہور مفسرین نے ایک منقطع، موقوف اور غلط روایت کی بنیاد پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام لگا دیا کہ آپ لوگوں کے ڈر کی وجہ سے حق بات کا اظہار نہ کر سکے۔ فیا اسفا

ثانیاً: اللہ تعالیٰ ایک دوسرے مقام پر صحابہؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”أَلَا تَقَاتِلُونَ قَوْمًا نُّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُمْ بَلَدُهُمْ وَلَهُمْ مَكْرَهُ مُرْءٍ ۖ أَتَخْشَوْنَ اللَّهَ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ“ (التوبہ آیت ۱۳)

کیا انہیں جنگ کرو گے تم اس قوم کے ساتھ جنہوں نے توڑ ڈالا اپنی قسموں کو اور ارادہ کیا انہوں نے رسول کو نکال دینے کا اور ان ہی نے آغاز کیا تھا تم پر (زیادتی کا) پہلی مرتبہ۔ کیا تم ڈرتے ہو ان سے؟ (سنو) اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر ہم (سچے) ایماندار۔

”آ“ حرف تخصیص ہے جس سے رغبت دلائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دے رہے ہیں۔ یعنی کفار کے ساتھ جنگ کرنے سے تم اس لئے پہلو تہی کرنا چاہتے ہو کہ تمہیں اندیشہ ہے کہ وہ تم پر غالب نہ آجائیں اس وسوسہ کو دل سے نکال دو۔ ڈرنا ہے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو جو سب سے زیادہ قوی ہے۔ ایمان صادق کا یہی تقاضا ہے۔

اس آیت میں ایمان کا بنیادی تقاضا یہ بتایا گیا ہے کہ حقیقی اور صادق مومن اللہ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتا۔ پھر یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ جو بات ایک صحابی اور مومن کے شایان شان بھی نہیں ہے بلکہ ایمان کے بنیادی تقاضہ کے ہی منافی ہے اسے جمہور مفسرین نے بے دھڑک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا۔

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے بطور ”استفہام“ فرمایا ”أَتَخْشَوْنَ اللَّهَ“ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ یہ استفہام انکاری ہے یعنی وہ ان سے نہیں ڈرتے، اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا صحابہ کفار سے نہیں ڈرتے:

”الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَوَازَهُمْ إِيْمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ“ (آل عمران ۱۷۳)

امام طبری۔۔۔ کون؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ڈرتے تھے؟

یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کہا انہیں لوگوں نے کہ بلاشبہ کافروں نے جمع کر رکھا ہے تمہارے لئے (بڑا سامان اور لشکر) سو ڈرو ان سے تو (اس دھمکی نے) بڑھا دیا ان کے (جوش) ایمان کو اور انہوں نے کہا: کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ اور وہ بہترین کارساز ہے۔

غزوہ احد کے فوراً بعد غزوہ جراء الاسد کے موقع پر مشرکین نے مسلمانوں کا حوصلہ پست کرنے کے لئے یہ افواہ پھیلائی کہ مشرکین لڑائی کے لئے بھرپور تیاری کر رہے ہیں تو صحابہؓ یہ افواہیں سن کر خوف زدہ ہونے کے بجائے عزم و ولولہ سے سرشار ہو گئے جس کو یہاں ایمان کی زیادتی سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ ایمان جتنا پختہ ہوگا، جہاد کا عزم اور ولولہ بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا۔

”إِنَّمَا ذَلِكَ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ“ ۚ صَافَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوكُمْ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ“ (آل عمران ۱۷۵)

یہ تو شیطان ہے جو ڈراتا ہے (تمہیں) اپنے دوستوں سے۔ پس نہ ڈرو ان سے بلکہ مجھ سے ہی ڈرا کرو اگر تم مومن ہو۔

مومنوں کو یہ سبق دیا جا رہا ہے کہ تم دشمن سے نہ ڈرا کرو بلکہ اپنے رب سے ہی ڈرا کرو اور جو اپنے رب سے ڈرتا ہے ساری دنیا اس سے لرزہ بردار مارتی ہے۔

یعنی شیطان تمہیں اس وسوسہ اور وہم میں ڈالتا ہے کہ وہ بڑے مضبوط اور طاقتور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو ایک دوسرے مقام پر یوں بیان فرمایا:

”وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا“ (سورۃ الاحزاب آیت ۲۲)

اور ایمانداروں نے جب (کفار کے) لشکروں کو دیکھا (تو بے ساختہ) کہہ اٹھے یہ ہے وہ لشکر جس کا وعدہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا تھا اور سچ فرمایا تھا اللہ اور اس کے رسول نے اور دشمن کے لشکر جبرائے ان کے ایمان اور جذبہ تسلیم میں اور اضافہ کر دیا۔

یعنی کفار کا لشکر جبرائے دیکھ کر اور اپنے آپ کو مہیب خطرات میں گھرا دیکھ کر مسلمانوں کے یقین اور ایمان میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ نور ایمان میں اور جلاء پیدا ہو گئی۔ قضاے الہی

امام طبری۔۔۔ کون؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ڈرتے تھے؟

کے سامنے تسلیم و رضا کا جو درس انہیں دیا گیا تھا وہ پھر تازہ ہو گیا اور کہنے لگے یہ تو بعینہ وہی چیز ہے جس کا وعدہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا۔

ستم بالائے ستم یہ کہ صحابہؓ کے بارے میں دشمن سے جس خوف کو بطور استفہام انکاری ”اَتَخَشُّوْنَهُمْ“ کے بیان کیا گیا ہے جمہور مفسرین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عملی طور پر اس میں مبتلا دکھا دیا۔ العیاذ باللہ

ہاں!۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ اور مخلص مسلمانوں کی ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ: ”اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَاقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللَّهَ...“ (التوبہ آیت ۱۸)

صرف وہی آباؤ کر سکتا ہے اللہ کی مسجدوں کو جو ایمان لایا ہو اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور قائم کیا نماز کو اور ادا کیا زکوٰۃ کو اور نہ ڈرتا ہو اللہ کے سوا کسی سے.....

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مساجد کی تعمیر و آباؤ کاری کا جذبہ رکھنے والوں کی ایک صفت یہ بھی بتائی ہے کہ ”وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللَّهَ“ تو اللہ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے تو پھر جمہور مفسرین کی اس بات کو کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ مسجد نبوی، مسجد قبا جیسی عظیم مساجد کے معمار اعظم ایک بالکل معمولی معاملے میں لوگوں سے ڈر کر اللہ کے حکم کو چھپانے پر مجبور ہو گئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کو عتاب کرنا پڑا کہ آپ لوگوں سے کیوں ڈرتے ہیں حالانکہ اللہ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ ان سے ڈرا جائے۔

رابعاً:۔ اللہ تعالیٰ نے ”علماء“ کی ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ:

”اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ“ (فاطر ۲۸)

اللہ تعالیٰ سے تو اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو عالم ہیں۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو ڈرنے والوں ہی کا حصہ بتایا:

حِزْآءٌ وَّهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ عِلٰلٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا اَبَدًا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ (البینۃ آیت ۸)

امام طبری۔۔۔ کون؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ڈرتے تھے؟

ان کی جزاء ان کے پروردگار کے ہاں بھیگی کی جنتیں ہیں۔ رواں ہوں گی جن کے نیچے نہریں۔ وہ ان میں تابد رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی۔ یہ (سعادت) اس کو ملتی ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے کاموں سے صحیح واقفیت اور گناہوں اور حکم عدولی سے بچنے کی استعداد اسی شخص میں پیدا ہو سکتی ہے جو قرآن مجید سے واقف ہے۔ جس کو قرآن مجید سے تعلق نہیں وہ نہ عالم کہلایا جاسکتا ہے، نہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کو اللہ تعالیٰ کی مافرمائی سے بچنے کی ہمت میسر ہو سکتی ہے۔

مذکورہ آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ عظیم شرف و مقام ان سعادت مندوں کا حصہ ہے جو زندگی بھر اس سے ڈرتے رہتے ہیں اس کی حکم عدولی کی انہیں جرأت ہی نہیں ہوتی۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيُتَّقِهِ قُلُوبُكَ هُمْ الْفَائِزُونَ“ (النور آیت ۵۲)

اور جو شخص اطاعت کرتا ہے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور ڈرتا رہتا ہے اللہ سے اور بچتا رہتا ہے اس (کی مافرمائی) سے تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔

یعنی فلاح و کامیابی کے مستحق صرف وہ لوگ ہوں گے جو اپنے تمام معاملات میں اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کو خوش دلی سے قبول کرتے اور ان ہی کی اطاعت کرتے ہیں اور خشیت الہی اور تقویٰ سے متصف ہیں نہ کہ دوسرے لوگ جو ان صفات سے محروم ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جس کے دل میں اللہ کا خوف سب سے زیادہ ہوگا وہ کسی دوسرے سے نہ ڈرے گا چونکہ عالم اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوتا ہے لہذا عالم لوگوں سے نہیں ڈرتا اور وہی سب سے زیادہ اخروی سعادتوں کا حق دار ہے۔

اب مذکورہ آیات کی روشنی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ تین آدمی ازواج مطہرات کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بارے میں پوچھنے کے لئے آئے۔ جب انہیں اس کے بارے میں بتلایا

امام طبری۔۔۔ کون؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ڈرتے تھے؟

گیا تو کو کیا کہ انہوں نے اس عبادت کو کم جانا۔ پھر کہنے لگے کہ: کہاں ہم اور کہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم؟ آپ کے تو اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ: میں ہمیشہ رات کو نماز پڑھا کروں گا اور دوسرے نے کہا کہ: میں ہمیشہ دن کو روزہ رکھا کروں گا۔ تیسرے نے کہا کہ: میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور پوچھا کہ تم لوگوں نے اس اس طرح سے کہا تھا؟ ”اما واللہ انی لا خشاکم للہ و اتقاکم لہ“ اللہ کی قسم! میں تم لوگوں سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور رتھوئی اختیار کرنے والا ہوں۔ لیکن میں (نفلی) روزے رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں (یعنی نہیں بھی رکھتا) اور نماز پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح کرتا ہوں۔ پس جو کوئی میرے طریقے سے روگردانی کرے گا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح۔ کتاب الایمان باب الاعتصام بالکتاب والسنة متفق علیہ ص ۲۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کیا اور پھر اس میں رخصت دی مگر ایک گروہ نے اس سے اجتناب کیا۔ پس جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے خطبہ دیا، اللہ کی تعریف کی پھر فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ اس چیز سے پرہیز کرتے ہیں جسے میں کرتا ہوں۔

”قواللہ انی لا علمہم باللہ و اشدہم لہ خشیۃ“

پس اللہ کی قسم! بے شک میں ان کی نسبت اللہ (کی مرضی) کو بہتر جاننے والا اور اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ (حوالہ مذکور۔ متفق علیہ)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی قسم کھا کر اعلان فرما رہے ہیں کہ میں تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جاننے والا ہوں، تم سے زیادہ متقی ہوں اور تم سے زیادہ اس سے ڈرنے والا ہوں۔ سخت تعجب ہے کہ اس واضح اور صریح اعلان کے باوجود جمہور مفسرین نے ایک غیر ثابت، مقطوع اور موقوف روایت کی بناء پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ ”دعویٰ“

امام طبری۔۔۔ کون؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ڈرتے تھے؟

کر دیا کہ ”وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ“ آپ نے لوگوں سے ڈر کر اللہ کی وحی کو چھپایا جس پر اللہ تعالیٰ نے عتاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں حالانکہ اللہ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ ان سے ڈرا جائے۔

خامساً:۔۔۔ سورۃ الاحزاب کی زیر بحث آیت ۳۷ (جس میں جمہور مفسرین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زیر عتاب دکھایا ہے) کے صرف ایک آیت بعد یعنی آیت ۳۹ میں اللہ تعالیٰ نے جملہ انبیاء و رسل علیہم السلام کی یہ خصوصیت بیان فرمائی ہے کہ:

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَاللَّهُ وَ یُخْشَوْنَهُ وَلَا یُخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ۚ وَكَفٰی بِاللّٰهِ حَسِیْبًا (الاحزاب آیت ۳۹)

وہ لوگ جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور وہ اس سے ڈرتے ہیں اور وہ نہیں ڈرا کرتے کسی سے اللہ تعالیٰ کے سوا۔ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ حساب لینے والا۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جن اولوالعزم ہستیوں کو اللہ تعالیٰ منصب رسالت پر فائز کرتا ہے اور اپنے پیغامات پہنچانے کی ذمہ داری سونپتا ہے وہ حضرات صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور کسی سے ان کے دل میں خوف و ہراس پیدا ہی نہیں ہوتا اور اگر وہ اپنے فرائض منصبی ادا کرنے میں لوگوں سے خوف زدہ ہونے لگیں تو وہ رسالت و نبوت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے اور اگر وہ کسی کی خاطر احکام الہی کی تبلیغ میں کوتاہی کریں تو ان کو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کون بچا سکتا ہے؟

”وَتَخْشَى بِاللَّهِ حَسِیْبًا“ میں ”حَسِیْب“ کی تفسیر ابن کثیر اور صاحب کشاف نے ”ناصر“ اور ”معین“ سے کی ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمام خطرات سے حفاظت کے لئے کافی ہے اور اگر ”حسب“ کے معنی حساب کرنے والے کے کئے جائیں تو آیت کا یہ ٹکڑا تنبیہ کے مفہوم میں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کی تبلیغ میں دوسروں کے خوف یا لحاظ کے سبب سے ادنیٰ کوتاہی بھی ہوئی تو یاد رہے کہ اللہ حساب کے لئے کافی ہے۔

اگر ”وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ“ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

امام طبری۔۔۔ کون؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ڈرتے تھے؟

مخاطب ہوتے تو پھر زیر بحث آیت میں نفی کس بات کی، کی گئی؟ کیا اس بات کو تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ باقی تمام انبیاء و رسل تو صرف اللہ تعالیٰ سے ہی ڈرتے ہوں مگر سید الانبیاء و الرسل ”وحی“ کے ظہار میں لوگوں سے ڈرتے رہے اور اللہ کو عتاباً یہ کہنا پڑا کہ ”وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ“ یہ کس قدر مضحکہ خیز بات ہے؟

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خود اس سے اگلی آیت میں نہایت ہی زوردار انداز میں اس بات کی نفی فرمادی ہے: ”الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ...“

جو لوگ (انبیاء) اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور وہ اللہ ہی سے ڈرتے ہیں۔

ان الفاظ سے بات پوری ہوگئی ہے اور بتا دیا گیا ہے کہ انبیاء کرام صرف اللہ ہی سے ڈرتے ہیں لیکن صرف ان الفاظ پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ آگے مزید زور دے کر اسی بات کو پھر ثابت کیا جا رہا ہے: ”وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ“

اور وہ (یعنی انبیاء) اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

اس کے بعد پھر اسی مسئلہ کو مزید ثابت کیا جا رہا ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ کوئی نبی اللہ کے سوا کسی اور سے ڈرے اور اللہ کو اس کی خبر نہ ہو وہ حساب و کتاب رکھنے میں کافی ہے۔ اس کے پاس سب کے اعمال و نیوتوں کا حساب موجود ہے۔ ”وَكُفِّنِي بِاللَّهِ حَسْبِيَ“ اور اللہ حساب لینے کے لئے کافی ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ آیت ۳۷ میں یہ فرما کر ”وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ“ (آپ کو لوگوں سے ڈرتے ہیں حالانکہ اللہ اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ اس سے ڈرا جائے لیکن آپ ایسا نہیں کر رہے آپ پر لوگوں کا خوف طاری ہے)

پھر آیت ۳۹ میں یہ اعلان کر کے کہ:

الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ ۚ

(جو لوگ یعنی انبیاء اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور وہ اللہ ہی سے ڈرتے ہیں وہ اللہ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے) یہ بتانا چاہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں انبیاء کی

امام طبری۔۔۔ کون؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ڈرتے تھے؟

صفات موجود نہیں ہیں۔ العیاذ باللہ۔ ثم العیاذ باللہ

ظاہر ہے کہ ان دونوں آیتوں (۳۹، ۳۷) کو ملا کر دیکھا جائے تو اس ”صغریٰ اور کبریٰ“ کا یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ مودودی صاحب نے تو اس سے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ: ”اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو الواعزی اور رضا بقضاء کے جس بلند مرتبے پر دیکھنا چاہتا تھا اس لحاظ سے حضور کی یہ بات ان کو فروتر نظر آئی۔“ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۳۳ سالہ نبوی دور میں سے ۱۸ سال تک منصب نبوت پر فائز رہ کر بھی ”اولو العزمی اور رضا بقضاء“ کے بلند مرتبے پر نہیں پہنچ سکے تھے۔ العیاذ باللہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ آگے چل کر لوگ ”وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ“ کا صداق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھہرائیں گے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان تاویلات باطلہ کی جڑ کاٹنے کے لئے آیت ۳۷ کے بعد آیت ۳۹ نازل کر دی کہ جن لوگوں کو ہم منصب نبوت سے سرفراز کرتے ہیں وہ لوگوں سے نہیں ڈرا کرتے بلکہ صرف ہم ہی سے ڈرتے ہیں اور ہمارے سوا کسی سے بھی نہیں ڈرتے۔

جو لوگ غلط تفسیر کے ذریعے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن عصمت کو داغ دار کر رہے ہیں اللہ کے ہاں ان کے یہ اعمال محفوظ ہیں اور وہ ان سے حساب لینے کے لئے کافی ہے۔

”وَكُفِّنِي بِاللَّهِ حَسْبِيَ“

سادساً:-

”يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۚ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ“ (المائدہ ۶۷)

اے رسول! پہنچا دیجئے جو انا را گیا ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے۔ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو نہیں پہنچایا آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو لوگوں (کے شر) سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کافروں کی قوم کو۔

امام خمینی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ:

یہ آیت غدیر خم کے دن حضرت علیؑ کے بارے میں نازل ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

امام طبری --- کون؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ڈرتے تھے؟

حضرت علیؓ کی امامت کی تبلیغ و اعلان میں لوگوں سے ڈرتے تھے اور اگر کوئی شخص کتب تاریخ و روایات کی طرف رجوع کرے تو وہ جان لے گا کہ پیغمبر کا خوف بجا تھا لیکن خدا نے انہیں حکم دیا کہ وہ امامت علیؓ کا اعلان کریں اور لوگوں سے ان کی حفاظت کا وعدہ لیا۔ (کشف الاسرار ص ۱۳۰)

اہل تشیع نے تو اس قدر بات تسلیم کی ہے کہ ابتداء آپؐ کو علیؓ کی امامت کا اعلان کرنے کے بارے میں لوگوں کا خوف تھا لیکن ”وَاللّٰهُ يَغْصِيْكُمْ مِنَ النَّاسِ“ کی ضمانت کے بعد یہ خوف جاتا رہا پھر آپؐ نے غدیر خم کے مقام پر امامت علیؓ کا اعلان کر دیا۔ مگر اہل تشیع کے اس اعتقاد کے برعکس، جمہور مفسرین نے یہ لکھ دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے ڈر کر اللہ تعالیٰ کے پیغام کو چھپا دیا اور اسے ظاہر ہی نہیں کیا۔ جس کی وجہ سے ”وَتَخْشَى النَّاسَ“ وَاللّٰهُ اَخْشَىٰ اَنْ تَخْشَاهُ کے الفاظ سے آپؐ پر عتاب کیا گیا۔

زیر بحث آیت میں آپؐ کو خاص طور پر ”رسول“ کے لفظ سے خطاب کر کے اس بات کی طرف واضح اشارہ کیا گیا ہے کہ ”رسول“ اللہ کا پیغام بردہوتا ہے اس وجہ سے اس کا یہ فرض منہجی ہے کہ اللہ کی طرف سے جو کچھ اس پر اتارا جائے وہ بے کم و کاست، بے خوف و خطر اور کسی رد و بدل کے بغیر پہنچا دے۔ اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپؐ اپنے منصب رسالت کا پاس رکھتے ہوئے اپنے رب کا جو حکم آپؐ کو ملے اس کو اس کے مخاطبوں تک پہنچا دیں۔

اور اگر کسی حکم کے پہنچانے میں پس و پیش کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپؐ نے اپنا فرض منہجی پورا کرنے میں غفلت برتی ہے اور اس کا ذرا حق ادا نہیں کیا۔ باقی رہی دشمنوں کی قوت، کفار کے حملے، منافقین کی سازشیں اور یہود و غیرہ کی ریشہ دوانیاں تو سن لو اللہ تعالیٰ خود آپؐ کا نگہبان ہے۔ کوئی آپؐ کو گزند نہیں پہنچا سکتا۔ ”وَاللّٰهُ يَغْصِيْكُمْ مِنَ النَّاسِ“ میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اطمینان دلا دیا آپؐ ان کے طعن و تشنیع، عداوت اور مخالفت کی کوئی پرواہ نہ کریں۔ ان شیاطین کے ہر شر سے اللہ آپؐ کو محفوظ رکھے گا۔

اس صریح اور پر جلال حکم کے بعد کیا کوئی یہ باور کر سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

امام طبری --- کون؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ڈرتے تھے؟

نے اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو کسی کی پاسداری کے لئے یا کسی کے خوف سے چھپایا ہو؟ اہل تشیع نے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر امامت علیؓ کے اعلان کے سلسلہ میں لوگوں سے ڈرنے کا الزام لگا کر بعد میں واپس لے لیا مگر جمہور مفسرین نے ایک غیر ثابت، غیر صحیح اور موقوف و مقطوع روایت کی بناء پر آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو ”انفائے وحی“ کا مرتکب قرار دے دیا۔ فیا اسفا کیا نفس مسئلہ (لوگوں سے خائف ہونے) کی حد تک اہل تشیع اور جمہور مفسرین جدید اصطلاح کے مطابق ”ایک ہی پیج (Page) پر نہیں آگئے؟“

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جمہور ان کی نسبت کچھ زیادہ ہی آگے بڑھ گئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے اس ”سہو“ کو معاف فرمائے۔

زیر بحث عنوان: ”کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ڈرتے تھے؟“ کے تحت مذکور تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ لاریب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ”اشجع الناس“ تھے وہ عام حالات اور دنیوی امور میں بھی لوگوں سے نہیں ڈرتے تھے چہ جائیکہ دینی اور تبلیغی امور میں لوگوں سے ڈر کر اللہ تعالیٰ کے حکم کو ظاہر کرنے کے بجائے اپنے دل میں چھپا لیں۔ یہ آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑا بہتان ہے۔ (سبحنک هذا بہتان عظیم) جو ایک غلط روایت کو صحیح سمجھنے کا شاخسانہ ہے۔ (اس روایت کی استنادی حیثیت پیچھے گزر چکی ہے)

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا متی ”لَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ“ کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہیں کرتے، وہ دشمن کے لشکر جہار کو دیکھ کر ان سے ڈرنے کے بجائے ”فَوَازِدُهُمْ اِيْمَانًا، وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا وَتَسْلِيْمًا“ کا مصداق بن جاتے ہیں، بہ شہادت ”وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ“، مساجد کی تعمیر و آباد کاری میں بھی وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، علمائے امت ”اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ“ کی رو سے اللہ ہی سے ڈرتے ہیں۔

پھر بتایا جائے کہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم:

صحابہؓ سے اس بات پر بیعت لے کہ وہ ہر حال میں حق بات کا اظہار کریں گے، اس معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے (وعلى أن نقول بالحق

امام طبری --- کون؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ڈرتے تھے؟

أَيْنَمَا كُنَّا لَا تَخَافُ فِي اللَّهِ لَوْمَةً لَّا تَمُوتُ

جو نبی امت کو یہ نصیحت کرے کہ: تمہیں لوگوں کا رعب اور خوف حق بات کے اظہار سے مانع نہ ہو۔ (لا يَمْنَعَنَّ أَحَدًا مِنْكُمْ هَيْبَةُ النَّاسِ أَنْ يَقُولَ بِحَقِّ)

تو وہ خود لوگوں سے کیوں کر ڈر سکتا ہے؟

جس نبی کے امتی علم اور تقویٰ کی بناء پر صرف اللہ ہی سے ڈرتے ہوں تو وہ نبی جو قسم اٹھا کر یہ اعلان کرے کہ: ”اما واللہ انی لا خشاکم للہ و اتقاکم لہ“، فواللہ انی لأعلمہم باللہ و اشدہم لہ خشية“

اللہ کی قسم تم لوگوں سے زیادہ میں اللہ سے ڈرنے والا ہوں، تم لوگوں سے زیادہ متقی ہوں، اللہ کی قسم میں سب لوگوں سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں۔

تو وہ خود لوگوں سے ڈر کر اللہ کے حکم کو کیسے چھپا سکتا ہے؟

پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ خود اللہ تعالیٰ جب اپنے پیغمبروں کے بارے میں یہ اعلان کر دیں کہ یہ مجھ ہی سے ڈرتے ہیں اور میرے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تو اللہ تعالیٰ کی اس بات کو تسلیم کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس بات کو منسوب نہ کیا جائے کہ آپ نے لوگوں سے ڈر کر تبلیغی وحی کو چھپایا تھا۔

امام طبری --- کون؟ ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ...“ کا مخاطب کون؟

”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ...“ کا مخاطب کون؟

گذشتہ بحث سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی وحی کا اخفاء کیا تھا اور نہ ہی آپ لوگوں سے کسی قسم کا کوئی خوف اور ڈر محسوس کرتے تھے۔ اس سے قارئین کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ پھر الفاظ ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ...“ کے مخاطب کون ہیں؟ اس سوال کے جواب کے لئے آیت پر غور فرمائیں:

”وَلَا تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ“ (سورہ الزاب آیت ۳۷)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال پیچھے گزر چکے ہیں۔ مفسرین کرام نے ”أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ“ کے تحت متفقہ طور پر یہ لکھا ہے کہ ان الفاظ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زیدؑ سے فرما رہے ہیں کہ ”اپنی بیوی کو طلاق مت دو اور اللہ سے ڈرو“ جبکہ ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ“ میں اللہ تعالیٰ کو متکلم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ کا مخاطب قرار دے رہے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زیدؑ کو طلاق نہ دینے اور اللہ سے ڈرنے کا حکم دے رہے تھے تو اللہ تعالیٰ عتاباً آپ سے فرما رہے ہیں کہ آپ لوگوں کی ملامت سے ڈر کر اللہ کے حکم کو اپنے دل میں چھپا رہے ہیں حالانکہ اللہ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ اس سے ڈرا جائے۔

مفسرین کرام کے ایک گروہ کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت زینبؓ کو برہنہ سر دیکھا تو ان کی محبت آپ کے دل میں کھب گئی جس سے حضرت زیدؑ کے دل میں بیوی کی کراہت و مایوسدیدی آ گئی۔ زیدؑ کو طلاق نہ دینے کا مشورہ دیتے وقت آپ زینبؓ کی محبت کو دل میں چھپائے ہوئے تھے اور چاہتے تھے کہ وہ طلاق دیدے تاکہ میں خود زینبؓ سے نکاح کر لوں لیکن اس چیز کا اظہار

امام طبری --- کون؟ ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ...“ کا مخاطب کون؟

آپ لوگوں کے خوف کی وجہ سے نہیں کر رہے تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ پر ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے یہ الفاظ اتارے کہ آپ لوگوں سے ڈر رہے ہیں حالانکہ آپ کو اللہ سے ڈرنا چاہئے۔

مفسرین کی ایک دوسری بڑی جماعت کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ”وحی“ کے ذریعے اس بات سے آگاہ کر دیا تھا کہ زید اپنی بیوی زینب کو طلاق دیں گے پھر آپ ان سے نکاح کر کے رسم ”مہنیت“ کا عملی طور پر خاتمہ کر دیں۔ لیکن جب زید نے آپ سے طلاق کا ذکر کیا تو آپ نے بظاہر انہیں اس سے منع کیا مگر اپنے دل میں نکاح کی خواہش کے باوجود لوگوں کے طعن کے خوف سے اس کا اظہار نہیں کیا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے عتاباً آپ سے کہا کہ: زید کو طلاق نہ دینے کا مشورہ کیوں دیا ہے؟ حالانکہ میں نے آپ کو بتا دیا تھا کہ زینب آپ کے نکاح میں آئے گی۔ آپ نے لوگوں سے ڈر کر اس حکم کو کیوں چھپایا۔ اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ اس سے ڈرا جائے۔

اس موقف پر تفسیری اقوال مع حوالہ جات پیچھے گزر چکے ہیں۔

بہر حال مفسرین کی دونوں جماعتوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا لِلَّهِ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ“ کے مخاطب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اسی طرح مفسرین نے امام طبری سمیت اس بات پر بھی اتفاق کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وحی کو اپنے دل میں چھپا رکھا تھا اور لوگوں کے خوف سے اس کا اظہار نہیں کر سکے تھے اس کا ذکر امام زین العابدینؑ کی روایت میں پایا جاتا ہے۔ مفسرین کرام نے اسی ”روایت“ کی بناء پر ہی زیر بحث آیت کی تفسیر بیان کی ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو روئے عتاب دکھایا گیا ہے۔ اور اسی تفسیر کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔

تعبیر بالا تعجب یہ کہ تمام جدید و قدیم مفسرین نے اسی روایت کی بناء پر اختیار کردہ تفسیر کو سب سے زیادہ صحیح قرار دیا ہے جس سے آپ پر ”اخفاء وحی“ اور ”لوگوں سے ڈرنے“ کے الزامات عائد ہوتے ہیں۔

اکثر مفسرین نے اس روایت کی ”سند“ بیان نہیں کی صرف آخری راوی حضرت زین العابدینؑ ہی کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے: ”أَخْرَجَ الْحَكِيمُ التِّرْمِذِيُّ وَغَيْرُهُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا...“ (روح المعانی جز ۲۴ ص ۲۳۳، معارف القرآن ج ۷ ص ۱۵۲)

امام طبری --- کون؟ ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ...“ کا مخاطب کون؟

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات روایت کی ”سند“ پر ”مفہور“ نہیں کر سکے اور نہ ہی انہوں نے یک سطری ”سند“ لکھنے کی ضرورت محسوس کی۔

کیا یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے مفسرین کرام سند میں موجود راویوں کے حالات سے بے خبر تھے؟ کیا ایک تابعی پر موقوف و مقطوع روایت کی بناء پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو روایات ائمہ اہل بیتؑ کا ٹھہرایا جاسکتا ہے؟

حضرت زین العابدینؑ (۳۸ھ --- ۹۴ھ) کی ولادت سے ۳۳ سال پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؑ سے نکاح کیا تھا۔ معلوم نہیں کہ ان تک یہ ”وحی خفی“ کس کے واسطے سے پہنچی اور وہ کیوں کر اس سے آگاہ ہوئے؟ کیونکہ ان سے اوپر کے راوی موجود نہیں ہیں۔

امام طبری کی ”سند“ کے مطابق (حلیٰ خلاصہ بن اسلم قال: ثنا سفیان بن عیینہ عن علی بن زید بن جدعان عن علی بن حسین...) حضرت زین العابدینؑ سے سن کر آگے روایت کرنے والے جناب ”صلی بن زید بن جدعان“ ہیں۔ اس روایت کی سند میں یہی ”مدار“ ہیں جن کے بارے میں ائمہ اہل بیتؑ فرماتے ہیں:

”فَوَاهِي الْحَدِيثِ، ضَعِيفٌ، لَا يَحْتَجُّ بِحَدِيثِهِ، كَانَ يَقْلِبُ الْإِحَادِيثَ، كَانَ يَشْتَبِعُ، فَإِنَّهُ كَانَ رَاقِضِيًّا“

یہ راوی و اہل الحدیث ہے، ضعیف ہے، اس کی روایت سے احتیاج و استدلال نہیں کیا جاتا، یہ موقوف روایات کو مرفوع بناتا تھا، (جبکہ زیر بحث روایت کو وہ ”مرفوع“ بنانا بھول گیا یعنی اگر اس کی ”مرفوع“ روایت بھی ہوتی تو پھر بھی اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا) یہ راوی احادیث کی ”اسناد و متون“ کو الٹ پلٹ دیتا تھا، یہ اختلاط کا مریض تھا، اس کے علاوہ سوء الحفظ کا بھی شکار تھا اور سب سے بڑھ کر یہ شیعہ و رافضی تھا۔

کیا اس کردار کے حامل راوی کی روایت کو قبول کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ...“ کا مخاطب و صدق قرار دیا جاسکتا ہے؟

امام طبری --- کون؟

”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ...“ کا مخاطب کون؟

سخت تعجب ہے کہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اسی روایت کی بناء پر اختیار کردہ تفسیر کو ”صحیح ترین“ تفسیر قرار دیتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہاں تک لکھ گئے کہ:

آپؐ نے دل میں ارادہ نکاح کو چھپا کر زید کو طلاق نہ دینے کی رسمی گفتگو کی جو آپؐ کی شان کے مناسب نہیں تھی، آپؐ کے لئے یہ گفتگو مناسب نہیں تھی اور آپؐ نے باوجود علم و ارادہ کے اس وحی کو چھپایا۔ حالانکہ یہ حکم الہی ذاتی نوعیت کا نہیں تھا بلکہ اس کے ذریعے ”تبیہیت“ کی رسم بد کا خاتمہ مقصود تھا اور یہ ”حکم“ تبلیغی تھا اور اس کے عملی مظاہرہ کی حکمت کی طرف آپؐ کی نظر نہیں گئی۔ (معارف القرآن جلد ہفتم ص ۵۳۳ تحت لآیتہ - ملخصاً)

اس طرح مفسرین کرام نے ”علی بن زید عن علی بن حسینؓ“ کی سند سے مروی روایت کی بناء پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ”اختفاء وحی اور لوگوں سے ڈرنے جیسے افعال“ منسوب کر کے آپؐ کو موروثی عتاب بھی ٹھہرا دیا۔

اگر یہ روایت پیش نظر نہ ہو تو متن آیت کی روشنی میں ایسی تفسیر بھی ممکن ہے جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ...“ کا مخاطب قرار نہیں پاتے۔

”وَإِذْ تَقُولُ“ سے ”وَإِنِّي اللَّهُ“ تک بلا اختلاف اور بلا اتفاق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زیدؓ سے کلام فرما رہے ہیں۔ اگلے دو جملوں ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ“ سے مفسرین کرام نے بلا دلیل اور حیرت انگیز طور پر اس موقوف و مقطوع اور ابن جردان جیسے شیعہ ورافضی راوی سے مروی روایت کی بناء پر سلسلہ کلام کو توڑ کر کلام کا رخ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف موڑ دیا۔ پہلے دو جملوں ”نَفْسِكَ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَإِنِّي اللَّهُ“ میں متکلم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مخاطب حضرت زیدؓ ہیں۔ ”وَإِذْ تَقُولُ“ سے فاعل متعین ہو جاتا ہے جبکہ آخری دو جملوں کا فاعل و قائل کون ہے؟ تو اس کا آیت میں اشارہ تک نہیں ہے مگر ایک ناقابل استدلال روایت کے سہارے اللہ کو ان جملوں کا قائل قرار دے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو موروثی عتاب ٹھہرا دیا گیا ہے۔ اگر یہ روایت ذہنوں پر چھائی ہوئی نہ ہوتی تو آیت کے متن سے اس کی کوئی تائید نہیں ہوتی (اور یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مفسرین کرام کے پاس اس

امام طبری --- کون؟

”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ...“ کا مخاطب کون؟

روایت کے علاوہ کوئی اور دلیل نہیں ہے اس روایت کی استنادی حیثیت واضح کر دی گئی ہے (”وَإِذْ تَقُولُ“ سے ”وَإِنِّي اللَّهُ“ کا قائل ایک مربوط سلسلہ کلام ہے جس کے قائل و متکلم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مخاطب حضرت زید بن حارثہؓ ہیں۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس سلسلہ کلام کے چاروں جملوں میں کوئی علامت وقف نہیں ہے۔ ”رموز اوقاف“ میں سے ”وَتَخْشَى النَّاسَ“ کے بعد ”ج“ کی علامت ہے، جو وقف جائز کی علامت ہے، یہاں ٹھہرنا بہتر اور نہ ٹھہرنا، جائز ہے۔ اس سے اگلے جملے ”وَإِنِّي اللَّهُ“ کا قائل ”ط“ کی علامت ہے جو وقف مطلق کی علامت ہے، اس پر ٹھہرنا چاہئے۔ اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے دو جملوں کی طرح آخری دو جملے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں اور ان کے مخاطب بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے حضرت زیدؓ ہی ہیں۔ آیت کی تفسیر یوں ہوگی کہ جب حضرت زیدؓ نے سیدہ زینبؓ کی شکایات پیش کر کے طلاق کی اجازت چاہی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

اے زید! اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں رہنے دو اور اللہ سے ڈرو۔ اور تم چھپا رہے ہو اپنے دل میں وہ بات جسے اللہ ظاہر کرنے والا ہے اور تم لوگوں کے طعن و تشنیع سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ ان سے ڈرا جائے۔

آیت کے متن کے مطابق یہ ترجمہ صحیح ہے اور اسے تسلیم کر لینے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اختفاء وحی اور لوگوں سے ڈرنے کے الزامات دور ہو جاتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت زیدؓ نے اپنے دل میں کس چیز کو چھپایا تھا؟

اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔ کسی نے کہا کہ حضرت زیدؓ نے دل میں تو طلاق دینے کی ضمانت رکھی تھی اس لئے لوگوں کی چہمی کوئیوں سے بچنے کے لئے ”رسماً“ آپؐ سے اجازت طلب کر رہے تھے تاکہ لوگوں کو مطمئن کیا جاسکے کہ طلاق دینے کا فیصلہ آپؐ کی اجازت سے ہوا، بعد میں اللہ نے اسے ”فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا“ کے الفاظ سے ظاہر کر دیا۔

کسی نے کہا کہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے حضرت زینبؓ کے صل نقص کو چھپا رکھا تھا، بعد میں جب

امام طبری --- کون؟ ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ...“ کا مخاطب کون؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بھی ان کی اولاد نہیں ہوئی تو اس سے ان کا نقص ظاہر ہو گیا۔

کسی نے کہا کہ زیدؑ نے سیدہ زینبؑ کی عزت کو اپنے دل میں چھپا رکھا تھا جسے اللہ تعالیٰ نے ”ام المؤمنین“ کا شرف عطا کر کے ظاہر کر دیا۔

کسی نے کہا کہ حضرت زیدؑ بظاہر تو سیدہ زینبؑ کی شکایات لگا رہے تھے لیکن دل میں ”نفسیاتی گرہ یعنی اپنی احساس کمتری“ کو چھپا رکھا تھا۔ بعد میں حضرت زیدؑ نے عالی نسب خواتین ’سیدہ ام کلثوم بنت عقبہ، درہ بنت ابی اہب اور ہند بنت عوام رضی اللہ عنہیں کو طلاق دے کر اپنی احساس کمتری کو ظاہر کر دیا۔

جن مفسرین نے ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ“ کا مصداق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا ہے تو وہ بھی کسی ایک ”ہشی مخفی“ پر متفق نہیں ہو سکے۔ کسی نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”وحی“ کو چھپایا تھا، کسی نے کہا کہ چونکہ آپؐ کے دل میں زینبؑ کی محبت کھب گئی تھی، آپؐ نے اس محبت کو چھپا رکھا تھا، کسی نے کہا کہ آپؐ نے ”ارادہ نکاح“ کو چھپایا تھا۔ کسی نے کہا کہ آپؐ نے عدم کفایت کی بات چھپا رکھی تھی، کہ اگر زینبؑ کو طلاق ہو گئی تو لوگ کہیں گے کہ ہم کفو نہ ہونے کی وجہ سے یہ شادی کامیاب نہیں ہو سکی۔ مذکورہ تمام اقوال تفسیر کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔

اسی طرح حضرت زیدؑ کے بارے میں بھی ”ہشی مخفی“ کے متعلق مختلف باتیں کہی گئی ہیں البتہ مفسرین کے ایک تفسیری قول کی روشنی میں اس اشکال کو حل کیا جاسکتا ہے جو زیادہ قرین قیاس ہے اور اسے اختیار کر لینے سے جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ”الزامات“ رفع ہوتے ہیں وہیں ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ...“ کے قول کے مصداق بھی حضرت زیدؑ ہی ٹھہرتے ہیں۔ علامہ سید محمود آلویؒ بحوالہ ”البحر المحیط“ لکھتے ہیں کہ:

وَفِي الْبَحْرِ نَقْلًا عَنْ بَعْضِهِمْ أَنَّهُ (يَعْنِي زَيْدًا) لَمْ يَتِمَّكَ مِنْ الْأَسْتِمَاعِ بِهَاءٍ وَ رَوَى أَبُو عَصْمَةَ نُوْحُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ بِإِسْنَادٍ رَفَعَهُ إِلَيْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: مَا كُنْتُ أَمْتَنُ مِنْهُ غَيْرَ أَنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ مَنَعَنِي مِنْهُ، وَ رَوَى أَنَّهُ كَانَ يَتَوَرَّمُ ذَلِكَ مِنْهُ حِينَ

امام طبری --- کون؟ ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ...“ کا مخاطب کون؟

یرید أن یقریبها فیمتنع.....“ (روح المعانی الجزء الثانی والعشرون ص ۲۵)

علامہ ابو حیان اندلسی نے بعض علمائے کرام سے نقل فرمایا ہے کہ حضرت زیدؑ حضرت زینبؑ سے استمتاع نہیں کر سکے اور ابو عاصمہ نوح بن ابی مریم نے اپنے اسناد کے ساتھ روایت بیان کی کہ حضرت ام المؤمنین زینبؑ عظمیٰ تھیں کہ میری طرف سے میرے پاس آنے کے لئے زیدؑ کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ تھی خود اللہ تعالیٰ نے انہیں میرے پاس آنے سے روک رکھا تھا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت زیدؑ کا جس روز حضرت زینبؑ کے پاس جانے کا ارادہ ہوتا تو ان کا ہد نہ ہو جاتا تھا جس سے وہ ان کے پاس جانے سے رک جاتے۔

ریس المفسرین مولانا حسین علی الہوائیؒ نے بھی لکھا ہے کہ حضرت زینبؑ کا مدخولہ ہونا ثابت نہیں۔ ملاحظہ ہو: بلغة الحیر ان ص ۲۶۵۔ جواہر القرآن جلد سوم ص ۹۴۰

مذکورہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زیدؑ اور حضرت زینبؑ کے مابین ناچاقی اور طلاق کی وجہ زینبؑ کی (العیاذ باللہ) بدکلامی، تیز مزاجی، سخت و درشت مزاجی اور خاوند کی عدم اطاعت نہیں ہے بلکہ حضرت زیدؑ کا اپنا طبی و جسمانی نقص ہے۔ چونکہ یہ ایک بیماری ہے جو تنقیص اور اہانت میں شامل نہیں ہے اور کسی کو بھی لاحق ہو سکتی ہے۔

جن مفسرین نے حضرت زیدؑ کے بارے میں یہ احتمال پیش کیا ہے تو اس کی رو سے یہ بات قابل فہم ہے کہ: ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا لِلَّهِ مُبْدِيَهُ وَ تَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ...“

کے مخاطب بھی حضرت زیدؑ ہیں اور آخری دو جملے بھی پہلے دو جملوں کی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی کلام ہے اور جس چیز کو حضرت زیدؑ نے شرم و حیا اور طعن و تشنیع سے ڈر کر دل میں چھپا رکھا تھا وہ یہی ان کا طبی نقص یا بیماری ہے۔

مولانا محمد منظور نعمانی کے بھتیجے مولانا محمد زکریا سنبھلی لکھتے ہیں:

”پھر ممکن ہے وہ (یعنی زیدؑ) یہ بھی سمجھتے ہوں کہ زینبؑ کی خواہش بھی رشتہ کو ختم کر دینے ہی کی ہے اس طرح اس رشتہ کے ختم ہونے سے دونوں کو راحت مل جائے گی“ (معارف الحدیث جلد ۸ ص ۳۶۸) تحت ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحشؑ۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی۔ یہ

امام طبری --- کون؟ ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ...“ کا مخاطب کون؟

ملاحظہ رہے کہ معارف الحدیث میں حضرت خدیجہ، حضرت سودہ، حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہن کے بعد جملہ مضامین مولانا محمد زکریا سنہلی کے قلم سے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت زیدؓ نے کسی کراہت یا نفرت کی بناء پر نہیں بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ زینبؓ کے ساتھ مشاورت کے بعد طلاق دی۔

اس بات کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ طلاق کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے نکاح کا پیغام دینے کی خاطر سیدہ زینبؓ کے پاس حضرت زیدؓ کی کوروا نہ کیا تھا۔ ملاحظہ ہو: صحیح مسلم کتاب النکاح باب زواج زینب بنت جحش جلد اول ص ۳۶۰-۳۶۱

اگر حضرت زینبؓ اور حضرت زیدؓ کے مابین اختلافات عروج پر ہوتے اور وہ درشت مزاج و تیز مزاج ہوتیں اور ان سے نفرت کرتی ہوتیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زیدؓ کو ان کے پاس کیوں بھیجتے، بالخصوص ایسے موقع پر جب طلاق کے داغ کی وجہ سے غصہ میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

بالآخر حضرت زیدؓ نے بعد از مشاورت اور فرمان الہی ”وَتَسْرِيحُ“ یا ”خَسَانُ“ کے مطابق طلاق دے دی جسے آگے اللہ تعالیٰ نے ”فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا“ میں ظاہر کر دیا۔

جو حضرات طلاق کی وجہ سیدہ زینبؓ کی ”بدکلامی، تیز مزاجی، سخت مزاجی و درشت مزاجی، عدم اطاعت اور نسی تفوق“ کو قرار دیتے ہیں تو اس کی تردید امام طبری کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ جب حضرت زیدؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر طلاق دینے کے ارادے کا ذکر کیا تو آپؐ نے ان سے پوچھا:

”مَالِكَ، أَرَأَيْتَ مِنْهَا شَيْءٌ؟ قَالَ: لَا، وَاللَّهِ مَا رَأَيْتُ مِنْهَا شَيْءٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَلَا رَأَيْتُ إِلَّا خَيْرًا...“ (تفسیر الطبری جلد ۱۰ ص ۳۰۲)

کیا زینبؓ کی طرف سے کوئی بدسلوکی ہوئی ہے؟ یا ان سے بدگمان ہو؟ حضرت زیدؓ نے کہا: نہیں۔ اللہ کی قسم میں نے ان میں خیر کے سوا کوئی بات نہیں دیکھی۔

علامہ آلوسیؒ کی منقولہ روایت اور امام طبری کی مذکورہ روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ”طلاق“ بدسلوکی اور بدکلامی کی بناء پر نہیں دی گئی بلکہ حضرت زیدؓ کے اپنے ”طبی

امام طبری --- کون؟ ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ...“ کا مخاطب کون؟

”نقص“ کی بناء پر باقاعدہ باہمی مشاورت کے ساتھ عمل میں آئی (اس پر مزید بحث آگے زیر عنوان: ”کیا حضرت زینبؓ ہی قصور وار ہیں؟“ آ رہی ہے)

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں اس آیت کے تحت باب کا عنوان ہی یہ قائم کیا ہے کہ:

”باب قوله: وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ“

اس کے تحت موصوف حضرت انس بن مالکؓ کی یہ روایت لائے ہیں:

”أَنَّ هَذِهِ الْآيَةَ: وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ... نَزَلَتْ فِي شَأْنِ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَزَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ“ (صحیح بخاری- کتاب التفسیر باب قوله: وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ... رقم الحديث ۴۷۸۷)

یہ آیت (۳۷) حضرت زینب بنت جحش اور زید بن حارثہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

امام بخاری ایک دوسرے مقام پر بروایت ثابت نقل کرتے ہیں کہ:

”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ“ نَزَلَتْ فِي شَأْنِ زَيْنَبَ وَزَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ- (صحیح بخاری- کتاب التوحید باب قوله: وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ... رقم الحديث ۷۴۲۰)

”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ“ زینب اور زید بن حارثہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

صحیح بخاری کی مذکورہ روایات سے بھی یہ ”مفہوم“ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ“ پچھلے دو جملوں کی طرح یہ دو جملے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں اور ان کے مخاطب حضرت زیدؓ ہیں۔

اس اعتبار سے آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اور یا دیکھئے (اے نبیؐ) جب آپؐ نے فرمایا اس شخص (یعنی زید) کو جس پر اللہ نے بھی احسان فرمایا اور آپؐ نے بھی احسان فرمایا: ”اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں رکھ اور اللہ سے ڈر اور تم اپنے دل میں مخفی رکھے ہوئے تھے وہ بات جسے اللہ ظاہر فرمانے والا تھا، اور تم لوگوں (کے طعن و تشنیع) سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔“

امام بخاری اور مفسرین کرام کے تفسیری اقوال کی روشنی میں مذکورہ ترجمہ و تشریح کی گنجائش نکل سکتی ہے جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ”تقیہ، اخفاء و حجب اور لوگوں سے

امام طبری --- کون؟ ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ...“ کا مخاطب کون؟

ڈرنے“ کے التزامات رفع ہو جاتے ہیں البتہ یہاں یہ اشکال باقی رہ جاتا ہے کہ ”نحوی قاعدہ“ کی رو سے ”جملہ خبریہ فعلیہ یعنی ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ“ کا عطف جملہ انشائیہ یعنی ”أَنْفُسُكَ عَلَيْكَ زَوْجُكَ وَأَتَى اللَّهَ“ پر نہیں ہو سکتا۔

مذکورہ ”نحوی قاعدہ“ کا سہارا بھی دراصل ”علی بن زید بن جعدان“ سے مروی ”موقوف، مقطوع اور ناقابل استدلال و حجت روایت (جس کی رو سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض مفسرین نے ”تقیہ، نفاق، اخفاء و جی اور لوگوں یعنی منافقوں، مشرکوں اور یہودیوں کے طعن و تشنیع سے ڈرنے کے التزامات لگائے۔ العیاذ باللہ) کو ”صحیح ثابت“ کرنا ہے جو ممکن نہیں ہے۔ اس کی استنادی حیثیت پیچھے گزر چکی ہے۔ اگر بالفرض اس راوی یا روایت کو کسی درجے میں قبول کر بھی لیا جائے تو پھر بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ انبیائے کرامؑ کے ماموس و عصمت کو ”نحویوں“ کے قواعد کی رو سے مجروح و دغاوار نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ امام فخر الدین رازیؒ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف اہل لغت کے اس اعتراض (کہ ”هَمْ بِهَا“ کو جزاء مقدم بنانے سے انکار کیا ہے یعنی جزاء کی تقدیم شاذ ہے اور کلام فصیح میں موجود نہیں) کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

”بے شک حسن یہی ہے کہ جزاء شرط سے مقدم نہ ہو لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر کسی معنوی اہمیت کے پیش نظر اس کو مقدم کر دیا جائے تو غلط ہے بلکہ علامہ ابو حیانؒ نے تصریح کی ہے کہ جزاء کو شرط پر مقدم نہ کرنے کا قاعدہ نحویوں کے نزدیک متفقہ نہیں ہے۔ کوفیوں نے تو اس تقدیم کو بالکل جائز قرار دیا ہے اور لصریوں میں سے ابو زید انصاری اور میرد جیسے بلند پایہ اس کے جواز کے قائل ہیں۔ (بحوالہ ضیاء القرآن جلد دوم ص ۴۲۲-۴۲۳۔ مؤلفہ میرد شاہ زہری)

چونکہ حضرت زین العابدینؑ کی طرف منسوب روایت ذہنوں پر مسلط تھی اس لئے مفسرین نے زیر بحث آیت میں نحوی قاعدہ کے تحت ”وَتُخْفِي“ و ”تَخْشَى“ دونوں مضارع کے صیغوں کو ”تَقُولُ“ پر عطف کر لیا اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ ”تَقُولُ“ بھی جملہ خبریہ ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان کی خبر دی گئی ہے اور یہ دونوں صیغہ و جملہ (وَتُخْفِي... وَ

امام طبری --- کون؟ ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ...“ کا مخاطب کون؟

تَخْشَى النَّاسَ) بھی خبریہ ہیں جن میں آپؐ کے دو کاموں کی خبر دی گئی ہے تو جملہ خبریہ کا عطف جملہ خبریہ پر ہی ہوا کرتا ہے اور جملہ انشائیہ پر نہیں ہو سکتا۔

لہذا زیر بحث آیت میں ”أَنْفُسُكَ“ اور ”أَتَى اللَّهَ“ امر کے صیغہ ہیں اور یہ دونوں جملے انشائیہ ہیں لہذا ان پر عطف نہیں ہو سکتا۔

یہ نحوی قاعدہ کہ ”جملہ خبریہ کا جملہ انشائیہ پر عطف نہیں ہو سکتا“ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے کیونکہ جملہ خبریہ کا جملہ انشائیہ پر عطف ثابت ہے چنانچہ علامہ ابن ہشام نے اپنی کتاب ”مغنی الملیب“ میں ایک جماعت کا قول نقل کیا ہے ”جملہ خبریہ اور انشائیہ میں عطف ہو سکتا ہے“ ملاحظہ فرمائیں:

وأجازہ الصفار۔ بالفاء۔ تلمیذ عصفور و جماعة مستملین بقوله تعالى: ”وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ...“ فی سورة البقرة، وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ“ فی سورة الصف... (مغنی الملیب عن كتب الأعراب ص ۱۷۹-جلد ۲- تحت عطف الخبر على الانشاء وبالعكس۔ مؤلفہ ابن ہشام الانصاری م ۷۶۱ھ)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا أَتَوَّلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَغَتْ رِسَالَتُهُ ۖ (المائدہ ۶۷) اس آیت کریمہ میں ”بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ...“ جملہ انشائیہ ہے اور ”وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ...“ جملہ خبریہ فعلیہ ہے۔ یہاں جملہ خبریہ کا عطف جملہ انشائیہ پر ہو رہا ہے۔ اسی طرح سورۃ البقرہ میں یہ مثال ملاحظہ فرمائیں: وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا... (البقرہ ۲۵) جملہ انشائیہ ہے اس کا عطف: فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا... أُعَلِّمْتُ الْكَافِرِينَ (البقرہ ۲۴) جملہ خبریہ پر ہو رہا ہے۔

علامہ سلیمان بن عمر الجمیل الشافعی (م ۱۲۰۴ھ) اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: ”عطف علی مضمون ایة فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا... (الفتوحات الالہیہ جلد اول ص ۳۰) مشہور مفسر اور لغوی علامہ سمین حلبی اپنی تفسیر ”الدرالمصون فی علوم الکتاب المکون“ میں تحریر کرتے ہیں:

”قوله تعالى: وبشر الذين امنوا: هذه الجملة معطوفة على ما قبلها عطف جملة ثواب المومنين على جملة عقاب الكافرين

وجاز ذلك لان مذهب سيبويه - وهو الصحيح - انه لا يشترط في عطف الجمل التوافق معني ، بل تعطف الطلبية على الخبرية وبالعكس... (الدر المصون ج ۱ ص ۶۵۱، ۶۵۲، دار الكتب العلمية بيروت، لبنان)

یہ جملہ پہلے جملے پر معطوف ہے، مومنوں کے ثواب کے جملے کو کافروں کے عقاب کے جملے پر عطف کیا گیا ہے، اور ایسا درست ہے۔ کیونکہ سبویہ کا مذہب جو کہ صحیح مذہب ہے یہ ہے کہ جملوں کے عطف میں معنی کا توافق ضروری نہیں، لہذا جملہ انشائیہ کا عطف جملہ خبریہ پر ہو سکتا ہے اسی طرح اس کا عکس بھی۔“

مذکورہ لغوی دلائل اور قرآن مجید کی مثالوں سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے الزامات رفع کرنے کی خاطر ”وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ“ کا مخاطب اور مصداق حضرت زیدؓ کو قرار دے دیا جائے تو اس سے ہرگز ہرگز ”نحوی قاعدہ“ کی خلاف ورزی واقع نہیں ہوگی۔

چونکہ سورۃ الاحزاب کی زیر بحث آیت (۳۷) میں حضرت زیدؓ اور سیدہ زینبؓ کا ذکر ہے اس لئے یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زیدؓ اور سیدہ زینبؓ کے مختصر حالات بھی ہدیہ قارئین کر دیئے جائیں:-

سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

سیدنا زید رضی اللہ عنہ کا نسب یہ ہے:- زید بن حارثہ بن شراحیل بن کعب بن عبد العزیٰ بن امرؤ القیس کلبی۔ جبکہ والدہ ”سعدی“ بنت ثعلبہ کا تعلق قحطانی قبیلہ بنو طے کے ایک ذیلی قبیلہ ”بنو معن“ سے تھا۔ اس طرح حضرت زید رضی اللہ عنہ نجیب الطرفین ہیں۔ مگر لڑکپن میں ان کی والدہ انہیں اپنے ساتھ اپنے قبیلے میں لے جا رہی تھیں۔ بنو قین بن جمر کے گھڑ سوار دستے نے بنو معن کی بستی پر حملہ کر کے زیدؓ کو عمر ۸ سال اغوا کر لیا۔ بعد میں وہ انہیں عکاظ کے مشہور بازار لے گئے۔ وہاں انہیں سیدہ خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام بن خویلد نے چار سو درہم میں خرید لیا، پھر انہیں اپنی پھوپھی سیدہ خدیجہؓ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جب سیدہ خدیجہؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شادی کی تو انہوں نے ۱۵ سالہ ”غلام“ آپؐ کو بہہ کر دیا۔ جبکہ ابن حجرؒ کے مطابق اس وقت زیدؓ کی عمر ۱۹ سال تھی کیونکہ انہوں نے ۸ھ میں عمر ۵۵ سال شہادت کی سعادت حاصل کی۔ ملاحظہ ہوا الاصابہ جلد ۱ ص ۵۶۲۔

ادھر زیدؓ کے والدین انہیں برابر تلاش کرتے رہے۔ کچھ ہی عرصہ بعد کلب قبیلے کے کچھ لوگ حج کرنے آئے تو انہوں نے زیدؓ کو پہچان لیا پھر واپس جا کر ان کے والدین کو اس سے آگاہ کر دیا۔ چنانچہ زیدؓ کے چچا اور والد زیدؓ کا فدیہ ادا کرنے اور انہیں غلامی سے نجات دلانے کے لئے مکہ مکرمہ آپؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے مگر حضرت زیدؓ جو اس وقت عاقل و بالغ تھے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کو ترجیح دیتے ہوئے اپنے والد اور چچا کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ ”یا رسول اللہ! واللہ! لا أختار عليك أحدا“ اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! آپؐ کی ذات گرامی کے مقابلے میں میرے لئے کوئی قابل ترجیح نہیں۔ (جامع ترمذی ۳۸۱۵۔ بحوالہ سیرت انسائیکلو پیڈیا ص ۲۷۳)

امام طبری --- کون؟

سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

اگر یہ روایت صحیح ہے تو پھر یہ بعد از بعثت کا واقعہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں زیدؓ کی طرف سے آپؐ کو ”یا رسول اللہ“ کہا گیا ہے، جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ قبل از بعثت کا واقعہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کے اس جذبہ ایثار سے بہت متاثر ہوئے انہیں کعبہ میں ساتھ لے جا کر مجمع عام میں ان کی ”آزادی“ کا اعلان فرمادیا۔ جمہور مفسرین اور ارباب سیر کے نزدیک آپؐ نے اس موقع پر انہیں اپنا بیٹا بنانے کا اعلان بھی فرمایا۔

ظاہر ہے کہ آپؐ نے یہ اعلان حضرت خدیجہؓ کے ساتھ شادی کے بعد اور قبل از بعثت ہی فرمایا ہوگا۔ مگر سخت تعجب ہے کہ اس پر وائے آزادی کے بعد بھی جمہور ان کا تعارف ”غلام“ کے لفظ سے ہی کر رہے ہیں یعنی ”آزاد کردہ غلام“ کیا کسی غلام کو آزاد کرنے کے بعد بھی ”غلام“ کہا جاسکتا ہے؟ دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ”آزادی“ سے پہلے بھی کیا زیدؓ پر ”غلام“ کا اطلاق صحیح ہے؟ علاوہ ازیں حضرت زیدؓ صلاً عرب تھے۔ کیا کسی عرب کو غلام بنایا جاسکتا ہے؟ صدرالافتاح مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی سورة الاحزاب کی آیت ۳۶ کے ”تفسیری فائدہ“ کے تحت لکھتے ہیں کہ:

”بعض تفاسیر میں حضرت زیدؓ کو غلام کہا گیا ہے مگر یہ خالی از قسح نہیں کیونکہ وہ حر تھے۔ گرفتاری سے بالخصوص قبل بعثت شرعاً کوئی شخص مرقوق یعنی مملوک نہیں ہو جاتا اور وہ زمانہ فترت کا تھا اور اہل فترت کو خبر ہی نہیں کہا جاتا۔ (کذا فی الجمل) (کنز الایمان مع تفسیری حاشیہ خزائن العرفان ص ۶۰۴)

موصوف کے اس ”نکتہ“ میں یقیناً کافی وزن ہے۔ حضرت زیدؓ کی جنگ میں گرفتار نہیں ہوئے بلکہ انہیں ایک ذمہ داری کے دوران گھر سے اٹھا کر فروخت کر دیا گیا۔ کیا ایسے شخص پر شرعاً ”غلامی“ کا اطلاق ہو سکتا ہے؟

زیدؓ بن حارثہ وہ خوش نصیب انسان ہیں جو حضرت خدیجہؓ اور حضرت ابو بکرؓ کے بعد آپؐ پر ایمان لائے۔ ابن حجرؒ کے مطابق اس وقت ان کی عمر ۳۴ سال تھی۔ حضرت زیدؓ کو رازدان رسولؐ اور لشکر اسلام کا سپہ سالار بننے کا اعزاز حاصل ہوا اور ایک مرتبہ تو انہیں مدینہ

امام طبری --- کون؟

سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

منورہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا عظیم شرف بھی حاصل ہوا۔ حضرت زیدؓ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ پوری جماعت صحابہ میں یہ واحد شخص ہیں جن کا نام قرآن مجید میں آیا ہے۔ جس طرح حضرت زیدؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ محبت کا اظہار کیا، اسی طرح آپؐ بھی ان سے شفقت بھرے انداز سے پیش آئے حتیٰ کہ انہیں اپنے خاندان کا ایک فرد بنالیا۔ اسی لئے وہ مسلمانوں میں حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے معروف تھے۔ مشہور غزوات میں شرکت کے علاوہ حضرت زیدؓ کو سات یا نو فوجی مہموں (سرایا) کی قیادت کا شرف بھی حاصل ہوا۔

حضرت زیدؓ نے ”عمرة القضاء“ میں بھی شرکت فرمائی۔ جب حضرت حمزہؓ کی لڑکی، کی پرورش کے سلسلہ میں ان کا حضرت علیؓ اور حضرت جعفرؓ سے جھگڑا ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ کے حق میں فیصلہ کیا کیونکہ حضرت جعفرؓ کی بیوی اس لڑکی کی خالہ تھیں۔ پھر آپؐ نے حضرت زیدؓ سے فرمایا: ”تم ہمارے بھائی اور ہمارے دوست ہو“ (أَنْتَ أَخُوْنَا وَمَوْلَانَا) ملاحظہ ہو صحیح بخاری کتاب المغازی باب عمرة القضاء (رقم الحدیث ۴۲۵۱)

۸ھ میں آپؐ نے تین ہزار مجاہدین پر مشتمل لشکر ”موتہ“ کے لئے روانہ کیا اور اس لشکر کا سپہ سالار اس نصیحت کے ساتھ زیدؓ بن حارثہ کو مقرر کیا کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو لشکر کی قیادت حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کو سونپی جائے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبد اللہ بن رواحہؓ کو قائد بنادیا جائے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مجاہدین اسلام اپنے میں سے جسے بہتر سمجھیں اپنا امیر منتخب کر لیں۔

اس جنگ میں یہ تینوں سپہ سالار یکے بعد دیگرے قیادت کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر گئے۔ اس کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ کو سپہ سالار منتخب کیا گیا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے لشکر اسلام کو ہزیمت سے بچالیا۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ:

”استشهد قیہا و هو ابن خمس و خمسين سنة“ زید بن حارثہؓ مردہ موتہ میں

شہید ہو گئے اور اس وقت ان کی عمر ۵۵ سال تھی۔ (الاصابہ - الجزء الاول ص ۵۶۴)

اپنے سپہ سالاروں کی شہادت کی خبر سن کر آپؐ بہت غمگین ہوئے اور صحابہؓ کو یہ خبر سناتے وقت آپؐ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق آپؐ نے کھڑے ہو کر پہلے ان تینوں کی خوبیاں بیان فرمائیں پھر یہ دعا کی کہ: اے اللہ زید کو بخش دے، اے اللہ زید کو بخش دے، اے اللہ زید کو بخش دے۔ اے اللہ جعفر اور عبد اللہ بن رواحہ کو بخش دے۔

ازواج و اولاد:

حضرت زید بن حارثہؓ نے روایات کے مطابق اپنی زندگی میں پانچ نکاح کئے۔ ازواج و اولاد کے نام طالب ہاشمی صاحب کی تحقیق کے مطابق حسب ذیل ہیں:

(۱) ام ایمنؓ (۲) سیدہ زینب بنت جحش (۳) ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط (۴) درہ بنت ابی اہب (۵) ہند بنت عوام

حضرت زیدؓ کے ہاں کل تین اولادیں ہوئیں:

حضرت ام ایمنؓ کے لطف سے حضرت اسامہ بن زیدؓ اور ام کلثومؓ کے لطف سے زید بن زید بن حارثہ اور رقیہ بنت زید پیدا ہوئے۔ (تیس پر والے شمع رسالت کے، ص ۴۰)

موصوف کا مؤخر الذکر دعویٰ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ اس کی وضاحت آگے آ رہی ہے۔

سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا

ان کا نام برد کہ کنیت ام ایمن اور ام الطباہ ہے۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ برکتہ بنت ثعلبہ بن عمرو بن حصن بن مالک بن سلمہ بن عمرو بن نعمان

سیدہ ام ایمنؓ کا تعلق حبشہ سے تھا۔ لیکن کتب تاریخ اس بات سے خاموش ہیں کہ وہ حبشہ سے کب اور کیسے لائی گئی تھیں۔ روایات کے بیانات سے یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ وہ بطور باندی اور غلام مکہ میں رہی تھیں ان کی غلامی کا سبب معلوم نہیں۔ البتہ قرینہ یہ کہتا ہے کہ وہ کسی طرح بردہ فروشوں کے قبضہ میں پڑیں اور انہوں نے خاتون حبشہ کو بازار میں بیچ دیا۔ یہ بھی واضح نہیں کہ وہ کہاں کہاں یکمیں البتہ مکہ مکرمہ میں وہ خاندان نبوت میں اپنی خرید و فروخت کے آخری دور میں پہنچی تھیں۔ ملاحظہ ہو: "حضرت ام ایمنؓ" رسول اکرمؐ کی لانا ص ۶۔ مؤلفہ ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی جناب عبد اللہ کی لویڑی تھیں۔ ان کی وفات کے بعد یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی خدمت میں رہیں۔ ام ایمنؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے قبل آپ کے والدین ماجدین کی خدمت کرتی تھیں۔ آپؐ کی پرورش و پرورش کی ذمہ داری بھی خوب نبھائی۔ یہ خدمت انہوں نے حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے گھر رضاعت کے لئے جانے سے قبل بھی انجام دی اور حضرت آمنہ کی وفات کے بعد تو مستقل طور پر اس کام پر مامور رہیں۔ حضرت آمنہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ لے کر گئیں تو حضرت ام ایمنؓ بھی خدمت کے لئے ساتھ گئیں۔ مدینہ منورہ سے واپسی کے سفر پر "ابواء" کے مقام پر حضرت آمنہ کا انتقال ہو گیا۔ مشہور روایت کے مطابق ام ایمنؓ تنہا آپؐ کو لے کر مکہ مکرمہ واپس لائی تھیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت خدیجہؓ سے (عمر ۲۵ برس) شادی کی تو انہیں آزاد کر دیا۔ اس وقت ام ایمنؓ کی عمر کم از کم ۴۵ سال ہوگی۔ کیونکہ یہ آپؐ کی ولادت

سے پہلے آپ کے والدین کی خدمت کرتی رہیں پھر آپ کو مکہ سے مدینہ اور مدینہ سے مکہ واپس لانے کی خدمت کوئی کم سن بچی سرانجام نہیں دے سکتی تھی جبکہ حبشہ سے مکہ تک جکتے جکتے پہنچنے سے بھی عمر کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

آپ نے ام ایمنؓ کو آزاد کرنے کے بعد ان کی شادی قبل از بعثت بنو حارث بن خزرج سے تعلق رکھنے والے عبید بن یزید کے ساتھ کر دی۔ ان کے لطن سے ام ایمنؓ بن عبید خزرجی پیدا ہوئے اور اس نسبت سے ان کی کنیت ”ام ایمن“ ہو گئی جو نام (برکہ) پر غالب آ گئی۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد ان کے شوہر عبید بن یزید کا انتقال ہو گیا۔ ”ام ایمنؓ“ غزوہ حنین میں شہید ہوئے۔ جب آپ نبوت سے سرفراز ہوئے تو ام ایمنؓ نے اسلام قبول کر لیا اس وقت ان کی عمر ۶۰ سال تھی۔ انہوں نے پہلے حبشہ پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ایمنؓ کی دوسری شادی کے لئے ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ: جس شخص کو یہ بات خوش کرے کہ وہ ایک جنتی بی بی سے شادی کر لے تو اسے چاہئے کہ وہ ام ایمنؓ سے شادی کرے۔ اسی ترغیب کی بناء پر حضرت زیدؓ نے ان سے شادی کر لی۔ اس وقت حضرت زیدؓ کی عمر ۳۳/۳۴ سال جبکہ ام ایمنؓ کی عمر ۶۰ سال سے زائد تھی۔ اللہ کی شان کہ اس عمر میں ان کے لطن سے حضرت زیدؓ کے بیٹے اسامہ پیدا ہوئے۔ علامہ بلاذری کی تصریح کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت اسامہ کی عمر اکیس سال تھی (بلاذری جلد ۱ ص ۴۷۵) لہذا وہ ہجرت مدینہ کے وقت گیارہ سال کے تھے۔ اس لحاظ سے حضرت زیدؓ سے ام ایمنؓ کی شادی نبوت و بعثت کے فوراً بعد ہی ٹھہرتی ہے۔

ام ایمنؓ نے اپنے دوسرے شوہر حضرت زیدؓ کے ساتھ (ان کی شہادت تک) تقریباً ۲۰ برس کا عرصہ بغیر کسی ناچاقی کے خوش خوش بسر کیا۔ جن میں سے تقریباً بارہ برس مکہ مکرمہ میں اور آٹھ برس مدینہ طیبہ میں گزارا حالانکہ مدنی دور میں حضرت زیدؓ نے ام ایمنؓ پر چار سو کنوں کا اضافہ بھی کیا تھا مگر اس کے باوجود ان کے باہمی تعلقات میں کوئی دراڑ نہیں آئی، تا آنکہ حضرت زیدؓ جمادی الاولیٰ ۸ھ میں جنگ موتہ میں شہادت سے ہم کنار ہو گئے۔ جس کے بعد ام ایمنؓ

ایک بار پھر بیوہ ہو گئیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا بہت خیال فرماتے تھے اور انہیں ”نساء اماء“ کہہ کر بلایا کرتے تھے۔ نیز فرمایا: ”اُمُّ اَيْمَنُ اُفْعَى بَعْدَ اُمِّي“ میری ماں کے بعد ام ایمن ہی میری ماں ہیں۔ ملاحظہ ہو: الاصابہ، الاستیعاب، تہذیب الکمال تحت ام ایمنؓ۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک دن حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ سے کہنے لگے: ”آؤ ہم ام ایمنؓ سے اسی طرح ملنے چلیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملنے تشریف لے جاتے تھے“ جب ہم ان کی خدمت میں پہنچے تو ام ایمنؓ رو پڑیں۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے پوچھا: آپ کیوں رو پڑیں؟ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے (اس دنیا کی ہر متاع سے کہیں زیادہ) بہتر ہے۔ ام ایمنؓ کہنے لگیں: میں اس حقیقت سے بے خبر نہیں کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بہت بہتر ہے۔

”وَلَكِنْ اَبْكِي اِنَّ الْوَحْيَ قَدْ انْقَطَعَ مِنَ السَّمَاءِ“ میں تو اس لئے رو رہی ہوں کہ اب آسمانوں سے وحی اترنے کا مبارک سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ہے۔ ام ایمنؓ کی یہ بات سن کر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی بے اختیار رو پڑے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۴۵۴)

صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ام ایمنؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پانچ مہینے بعد انتقال کیا۔ ”ثم توفيت بعد ما توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم بخمسة أشهر“ (صحیح مسلم کتاب الجہاد باب رد المهاجرين الى انصار مناتهم جلد ۲ ص ۹۶) حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ: ”أخرج ابن سعد بسند صحيح عن طارق بن شهاب: لما قبض النبي صلى الله عليه وسلم بكت ام أيمن فقبل لها: ما يسكيك قالت: أبكى على خبر السماء، وفيه لما قتل عمر بكت ام أيمن، فقبل لها، فقالت: اليوم وهي الاسلام“ (الاصابہ الجزء الرابع ص ۴۳۳)

ابن سعد نے طارق بن شہاب سے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ: جب نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ام ایمن رو پڑیں تو ان سے کہا گیا کہ آپ کو کس چیز نے رلایا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ: میں آسمان کی خبر (کے منقطع ہونے) پر روتی ہوں۔

اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت عمر قتل کئے گئے تو ام ایمنؓ رونے لگیں۔ ان سے کہا گیا کہ کیوں رو رہی ہیں؟ کہا کہ: اب اسلام میں کمزوری آگئی ہے۔

طبقات ابن سعد میں بھی یہ روایت اسی طرح آئی ہے۔

ملاحظہ ہو: (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۳۰۸۔ صالحات و صحابیات۔ نفیس اکیڈمی کراچی) ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ام ایمنؓ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کا پورا زمانہ پایا اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے بیسیوں دن وہ اس دار فانی سے عالم جاودانی کو سدھاریں۔ ان کی وفات کے بعد بھی ہر دور میں انہیں عزت و احترام کے ساتھ ہی یاد کیا جاتا رہا اس سلسلے میں امام ابن سعد نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ:

ایک دن حضرت اسامہ بن زیدؓ کے بیٹے حسن اور ان کے ”مولیٰ“ ابن ابی الفرات کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ ابن ابی الفرات نے اثنائے گفتگو میں کہا: اے برکہ (ام ایمنؓ) کے بیٹے۔ حسن نے کہا: گواہ رہو۔ اور حسن اپنا مقدمہ قاضی یا دلی مدینہ ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم کے پاس لے گئے۔ ابو بکر نے ابی الفرات سے کہا: ”ابن برکہ“ سے تمہارا کیا مطلب تھا؟ کہنے لگے: میں نے ان کی ماں کا نام لے کر انہیں پکارا تھا۔ ابو بکر نے کہا: نہیں۔ بلکہ تم نے ان کی تحقیر کے لئے یہ لفظ استعمال کیا تھا۔ حالانکہ اسلام میں ”برکہ“ کا مقام و مرتبہ تم کو معلوم ہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں امی جان اور اے ام ایمن کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ اگر میں تم کو معاف کروں تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف نہیں فرمائے گا۔ پھر ابو بکر نے ان کے ستر کوڑے لگوائے۔ (طبقات ابن سعد صالحات و صحابیات جلد ۸ ص ۳۰۹، العدد رک لجام جلد ۲ ص ۶۴)

حضرت زید بن حارثہؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء پر حضرت ام ایمنؓ کی موجودگی میں حضرت زینب بنت جحشؓ کے ساتھ نکاح کیا تھا۔ (ان کے حالات آگے مستقل عنوان کے تحت آ رہے ہیں) لیکن ان کے ساتھ نباہ نہ ہو سکا اور نوبت طلاق تک پہنچ گئی۔

سیدہ ام کلثوم بنت عقبہ

حضرت زینبؓ کو طلاق دینے کے بعد حضرت زیدؓ نے ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط کے ساتھ نکاح کیا۔ ام کلثوم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن ارؤی بنت کریم کی بیٹی تھیں۔ ارؤی حضرت عثمانؓ کی بھی والدہ تھیں اس طرح حضرت عثمانؓ اور ام کلثوم آپس میں ماں جائے بہن بھائی تھے۔

ام کلثوم نے والد اور بھائیوں کی اسلام دشمنی کے باوجود اسلام قبول کیا اور صلح حدیبیہ کے فوراً بعد مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ ان کے دو بھائیوں ولید بن عقبہ اور عمارہ بن عقبہ کو سخت غصہ آیا اور وہ اپنی بہن کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ: صلح حدیبیہ کی اس شرط کو پورا کیجئے کہ قریش کا کوئی آدمی مدینہ آئے گا تو واپس کر دیا جائے گا۔

ادھر ام کلثومؓ نے فریاد کی کہ: ”یا رسول اللہ! مجھے اپنے در سے نہ دھتکارئیے میں ایک کمزور عورت ہوں اور شرکین میں واپس جا کر میرا ایمان خطرے میں پڑ جائے گا۔“ آپؐ کو بہت فکر ہوئی کیونکہ معاہدہ میں عورتوں کا ذکر نہ تھا تو اس وقت بارگاہ الہی سے مہاجر عورتوں کے بارے میں یہ آیت اتری:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مِنْهَا جَرَائِدٌ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۚ أَلَا تَعْلَمُونَ أَنَّ عِلْمَ مَا فِي أَنْفُسِهِنَّ ۚ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ (الممتحنة۔ ۱۰)

اے ایمان والو! جب آجائیں تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے تو ان کی جانچ پڑتال کرلو۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو۔ پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف مت واپس کرو۔

امام طبری۔۔۔ کون؟

سیدہ ام کلثومؓ بنت عقبہ

اس حکم الہی کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام کلثومؓ کو واپس کرنے سے انکار کر دیا اور ان کے بھائی کا کام و نامراد ہو کر واپس مکہ گئے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کی شرائط کی خلاف ورزی بھی نہیں کی کیونکہ اس میں یہ الفاظ تحریر کئے گئے تھے:

”علی ان لا یأتیک منّا رجل و ان کان علی دینک الا ردّته علینا“
(صحیح بخاری کتاب الشروط۔ باب الشرط فی الجہاد و المصالحة)

اگر ہم میں سے کوئی مرد آپ کے پاس آئے خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو اسے آپ ہماری طرف لوٹا دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت ملاحظہ ہو کہ اس نے معاہدہ کے موقع پر کفار کے نمائندہ کی زبان سے ایسے الفاظ نکلوائے جن کی وجہ سے مہاجر خواتین کا مسئلہ کسی عہد شکنی یا نسخ و تاویل کا تکلف کئے بغیر حل ہو گیا۔ جب کفار نے مسلم خواتین کی واپسی کا مطالبہ کیا تو آپؐ نے معاہدہ کے اصل الفاظ ان کے سامنے دہرا دیئے اس طرح کفار کو جواب ہو کر واپس جانا پڑا۔

ام کلثومؓ بنت عقبہ (جو آپؐ کی پھوپھی زاد بہن کی لڑکی یعنی بھانجی تھیں) نے معاہدہ حدیبیہ کے بعد سب سے پہلے ہجرت کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے مشرف ہوئیں۔ ملاحظہ ہو: (صحیح مسلم کتاب البر۔ باب تحریم الکذب)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام کلثومؓ بنت عقبہؓ کا نکاح حضرت زید بن حارثہؓ سے کر دیا۔ حضرت زیدؓ کی شہادت کے بعد حضرت زبیر بن عوامؓ سے نکاح ہوا۔ بعد ازاں حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے نکاح میں آئیں۔ ان کے فوت ہونے کے بعد فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کے ساتھ نکاح ہوا اور اس نکاح کے ایک ہی ماہ بعد ان کی وفات ہو گئی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ:

”قلما قلعت المدینة تزوجها زید بن حارثة ثم تزوجها الزبیر بن العوام بعد قتل زید، فولدت له زینب، ثم فارقها، فتزوجها عبدالرحمن بن عوف

امام طبری۔۔۔ کون؟

سیدہ ام کلثومؓ بنت عقبہ

قولدت له ابراهیم و حمیداء، ثم ماتت عنها، فتزوجها عمرو بن العاص فمکنت عنده شهرا وماتت“ (الاصابه الجزء الرابع ص ۴۹۱۔ تحت رقم ۱۴۷۵)

اس سے معلوم ہوا کہ ام کلثومؓ بنت عقبہؓ ذی قعدہ ۶ھ یعنی معاہدہ حدیبیہ کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آئی تھیں اس کے بعد ہی حضرت زیدؓ سے ان کا نکاح ہوا۔ حضرت زیدؓ جمادی الاولیٰ ۸ھ میں جنگ موتہ میں شہید ہو گئے۔ اس طرح ام کلثومؓ بنت عقبہؓ حضرت زیدؓ کے نکاح میں زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سال تک رہیں۔ لیکن یہ ڈیڑھ سال کا عرصہ بھی یقینی نہیں ہے کیونکہ حافظ ابن حجر عسقلانی کے مطابق ام کلثومؓ بنت عقبہؓ کو بھی حضرت زیدؓ نے طلاق دے دی تھی اس کے بعد انہوں نے درّہ بنت ابی لہب سے نکاح کیا پھر انہیں طلاق دے کر ہند بنت عوام کے ساتھ شادی کی تھی۔ ملاحظہ ہو: (الاصابه الجزء الاول ص ۵۶۴)

کیا یہ بات باور کی جاسکتی ہے کہ اس قلیل عرصہ میں حضرت زید بن حارثہؓ کے ہاں از بطن ام کلثومؓ بنت عقبہؓ ایک رقیہ نامی لڑکی اور زید بن زید کے نام سے ایک لڑکے نے جنم لیا تھا؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ام ایمنؓ کے سوا ام کلثومؓ بنت عقبہؓ سمیت کسی بیوی سے حضرت زیدؓ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی اور ام ایمنؓ سے بھی جبکہ وہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ چکی تھیں صرف اسامہؓ پیدا ہوئے۔

سیدہ درّہ بنت ابی لہب

درّہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب کی بیٹی ہیں۔ باپ کی اسلام دشمنی کے لئے سورۃ ”الماعین“ کافی دلیل ہے جس میں نام لے کر اس کی مذمت کی گئی لیکن بیٹی کو اللہ تعالیٰ نے اسلام قبول کرنے کی توفیق دی اور ان کا شمار صحابیات میں ہوا۔ علامہ ابن حجر نے الاصابہ میں لکھا ہے کہ درّہ مدینہ پہنچ کر حضرت رافع بن معقلی زرقی کے گھرانے میں بنو زریق کی عورتوں سے ملنے آئیں اور کہا: ”تم اسی ابولہب کی بیٹی ہو جس کے بارے میں سورۃ الماعین مازل ہوئی۔ تم کو ہجرت کا کیا ثواب ملے گا؟“ حضرت درّہ کو یہ سن کر بہت صدمہ ہوا اور انہوں نے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے ان کو تسلی دی اور کچھ دیر ٹھہرنے کا حکم دیا پھر ظہر کی نماز پڑھ کر منبر پر رونق افروز ہوئے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: لوگو! تم میں سے بعض میرے خاندان کے بارے میں میری دل آزاری کرتے ہیں حالانکہ اللہ کی قسم! میرے قریباً کو میری شفاعت ضرور پہنچے گی۔ یہاں تک کہ ”صداء حکماء سابقہ“ (تین قبائل جن سے آپ کی دور کی قربت تھی) بھی اس سے مستفید ہوں گے..... حضرت درّہ نہایت فیاض تھیں اور مسلمانوں کو کھانا کھلایا کرتی تھیں (کانت تطعم الناس) حافظ ابن حجر نے بلاذری کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

”ان زید بن حارثہ تزوجھا ولعل ذلک قبل ان يتزوجھا الحارث بن نوفل و قبل تزوجھا دحیة الکلبیہ..... (الاصابہ الجزء الرابع ص ۲۹۸)

زید بن حارثہ نے ان سے نکاح کیا۔ شاید حارث بن نوفل اور دحیہ کلبی کے نکاح میں آنے سے پہلے ایسا ہوا ہو۔ لیکن یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ حارث اور ان کے والد نوفل نے غزوہ خندق سے پہلے اسلام قبول کیا۔ حارث بن نوفل سے ان کے تین بیٹے عتبہ، ولید، اور ابوسلم پیدا ہوئے۔ بعد میں وہ دحیہ کلبی کے نکاح میں آئیں۔ اگر ابن حجر کا یہ حوالہ درست ہے تو پھر یہ قبل از ہجرت کی دور کا واقعہ ہوگا لیکن اس دور میں اس طرح کا کوئی اشارہ نہیں ملتا۔

سیدہ زینب بنت جحشؓ

جمہور مفسرین، محدثین، ارباب سیرت اور مؤرخین سیدہ زینبؓ کا تعلق قریش کے خاندان ”اسد بن خزیمہ“ سے بتاتے ہیں۔ راقم الحروف نے بھی جمہور کی پیروی میں اپنی کتاب ”اہل بیت رسول کون؟“ میں سیدہ زینبؓ کے حالات کے تحت یہی بات لکھی تھی لیکن اب مزید تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ سیدہ زینبؓ نسباً قریش سے تھیں ان کا تعلق بنو اسد کے ساتھ تھا۔ سیدہ زینبؓ کا شجرہ نسب ملاحظہ فرمائیں:-

زینب بنت جحش بن رباب بن یحییٰ بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن نعم بن دودان بن اسد بن خزیمہ تاریخ میں سب سے پہلے ”قہر“ کا لقب قریش پڑا۔ اس سے پہلے کسی شخص کا یہ لقب نہیں تھا۔ پھر ان ہی کی طرف منسوب ہو کر ”قہر“ کی اولاد ”قریش“ کہلائی۔

”قہر“ کے دور میں حسان حاکم یمن ایک فوج لے کر مکہ معظمہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ خانہ کعبہ کو گرا کر اس کا ملبہ یمن لے جائے اور وہاں کعبہ تعمیر کرے۔ فہر نے مع برادران خود فوج سے مقابلہ کیا، حسان کو شکست ہوئی اور گرفتار کر لیا گیا تین سال تک قید رہا۔ پھر فہر نے آزاد کر دیا۔ وہ یمن کو واپس جا رہا تھا کہ راستہ میں مر گیا۔ (تاریخ کامل ابن اثیر) اس فتح سے فہر کی عظمت و شوکت کا سکھ عرب میں قائم ہو گیا۔ ”قہر“ ہی کا لقب قریش ہے۔ قریش لغت حجاز میں ویل چھلی کو کہتے ہیں جو سمندر میں سب سے بڑا جانور ہے۔ فہر اور اولاد فہر کو اس لئے قریش کہنے لگے کہ وہ بھی عرب بھر میں جملہ قبائل سے طاقت و راوڑ عظیم الشان تھے۔ فہر (قریش) خود حضرت زینبؓ کے نسب میں چوتھی پشت میں جا کر ملتے ہیں تو حضرت زینبؓ کس طرح ”قریشی“ کہلا سکتی ہیں؟

حضرت زینبؓ کا نسب ”اسد بن خزیمہ“ تک منتہی ہوتا ہے جبکہ فہر (قریش) چار پشت

بعد ”خزیمہ“ سے ملتے ہیں: فہر (قریش) بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ.....

حضرت زینبؓ کا سن ولادت کتب تاریخ و تہذیب میں مذکور نہیں ہے البتہ ان کے سن وفات سے سن ولادت کا بھی تعین ہو سکتا ہے۔

اس سلسلے میں حافظ ابن حجرؒ نے دو قول نقل کئے ہیں:

”تزوجها النبی صلی اللہ علیہ وسلم وہی بنت خمس و ثلاثین وماتت سنة عشرين
وہی بنت خمسین... أنها عاشت ثلاثا وخمسین“ (الاصابہ الجزء الرابع ص ۳۱۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زینبؓ سے نکاح کیا۔ ان کی عمر اس وقت ۳۵ سال تھی اور وہ پچاس سال کی عمر میں ۲۰ھ میں فوت ہوئیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت زینبؓ ۵۳ سال تک زندہ رہیں۔ پچاس سال عمر کی صورت میں حضرت زینبؓ بوقت ہجرت ۳۰ سال اور بوقت بعثت ۱۷ سال کی تھیں۔ اس اعتبار سے ان کی ولادت بعثت سے ۱۷ سال اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سیدہ خدیجہؓ کے ساتھ نکاح سے ۲ سال پہلے ہوئی۔

جبکہ ۵۳ سال عمر کی صورت میں تین سال کے اضافے سے بوقت ہجرت ۳۳ سال، بوقت بعثت ۲۰ سال کی تھیں۔ اس لحاظ سے ۲۰ سال قبل بعثت اور حضرت خدیجہؓ کے ساتھ نبی علیہ السلام کے نکاح سے ۵ سال پہلے سن ولادت متعین ہو جاتا ہے۔

حضرت زینبؓ کے پدری سلسلہ کے بعد مادری سلسلہ یہ ہے:

امیمہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف.....

یعنی حضرت زینبؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ آپ کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کے اسلام میں اختلاف ہے۔ امام ابن سعد ان کا اسلام لانا تسلیم کرتے ہیں جبکہ محمد بن اسحاق اس کے منکر ہیں۔

حضرت زینبؓ کا پہلا نام ”ہزہ“ تھا۔ ۳۵ یا ۳۸ سال کی عمر تک یہی نام رہا۔ بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”ہزہ“ نام تبدیل کر کے زینب رکھا۔

”أن زینب كان اسمها برة۔ قيل: تزكی نفسها: فسماها رسول الله صلى الله عليه وسلم زینب“ (صحيح بخاری كتاب الادب باب تحويل الاسم لى اسم هو أحسن منه۔ رقم الحديث ۶۱۹۲)

سیدہ زینبؓ کی کنیت ”ام الحکم“ تھی۔ چونکہ آپ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی اس لئے ظاہر ہے کہ یہ کنیت ”توصیفی“ ہے۔

عرب میں جلد شادی کے رواج کے باوجود حضرت زیدؓ کے ساتھ شادی سے پہلے ان کے کسی نکاح کا ذکر نہیں ملتا۔ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ بعثت کے وقت وہ ۱۷ یا ۲۰ سالہ عاقلہ بالغہ اور خوب رویشیزہ تھیں پھر عام قول کے مطابق بعد از ہجرت ۴ھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید خواہش پر ان کا نکاح حضرت زید بن حارثہؓ کے ساتھ کر دیا گیا۔ بعض حضرات کے نزدیک یہ نکاح ۳ھ میں ہوا تھا۔ یہ قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس نکاح میں ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش کا ذکر آتا ہے اور وہ ۳ھ میں غزوہ احد کے موقع پر شہید ہو گئے تھے اس لئے اپنی شہادت سے پہلے ہی انہوں نے اس نکاح میں شرکت کی ہوگی۔

مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب ”سورة الاحزاب کی آیت ۳۶: وَمَا كَانَ لِلْمُؤْمِنِ وَلَا الْمُؤْمِنَةِ.....“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: ”جب حضرت زیدؓ آزاد ہو گئے تو حضور علیہ السلام نے ان کے نکاح کے لئے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کو منتخب فرمایا (ورثاء نے عدم کفایت کی بناء پر انکار کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی تو وہ نکاح پر آمادہ ہو گئے)

حضرت زیدؓ بعثت سے تقریباً دس، پندرہ سال پہلے آزاد ہوئے تھے اور اس وقت ان کی عمر پندرہ، بیس سال کے لگ بھگ تھی۔ مگر حضرت زینبؓ اس وقت دو یا پانچ سال کی ہوں گی اور اس وقت حضرت زیدؓ کا ام ایمنؓ کے ساتھ بھی نکاح نہیں ہوا تھا۔

جہور مفسرین کے نزدیک حضرت زینبؓ کا پہلا نکاح حضرت زیدؓ کے ساتھ ۳ھ یا ۴ھ میں ہوا اور اس وقت حضرت زینبؓ کی عمر ۳۵ سال کے لگ بھگ تھی۔ یہ نکاح ایک سال سے کچھ ہی زیادہ عرصہ تک قائم رہا پھر طلاق کی وجہ سے دونوں کے درمیان مکمل مفارقت ہو گئی۔

کیا حضرت زینبؓ ہی قصور وار ہیں؟

جمہور مفسرین نے ”أَمْسَبُكَ عَلَىكَ زَوْجُكَ وَأَتَقِي اللَّهَ“ کے تحت قصور وار سیدہ زینبؓ کو قرار دیا ہے۔ بطور نمونہ چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ:

”حضرت زینبؓ، زیدؓ کے نکاح میں آئیں تو وہ ان کی آنکھوں میں حقیر لگتا، مزاج کی موافقت نہ ہوئی۔ جب آپس میں لڑائی ہوتی تو زیدؓ آ کر حضرت سے ان کی شکایت کرتے اور کہتے میں اسے چھوڑنا ہوں حضرت منع فرماتے... (تفسیر عثمانی تحت لآیہ)

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں کہ:

”حضرت زیدؓ اور زینبؓ کے درمیان موافقت نہ ہوئی اور حضرت زیدؓ نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زینبؓ کی سخت گفتاری، تیز زبانی، عدم اطاعت اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی شکایت کی۔ ایسا بار بار اتفاق ہوا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زیدؓ کو سمجھا دیتے اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی...“ (کنز الایمان - تفسیری حاشیہ خزائن العرفان - تحت لآیہ)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان لکھتے ہیں کہ:

”حضرت زینبؓ بنت جحش کا نکاح ہامرنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ ہو گیا مگر دونوں کی طبیعتوں میں موافقت نہ ہوئی۔ حضرت زیدؓ ان کی تیز زبانی اور نسب شرافت کی بناء پر اپنے کو اونچا سمجھنے اور اطاعت میں کوتاہی کرنے کی شکایت کیا کرتے تھے۔“ (معارف القرآن جلد ۷ - ص ۱۵۲)

حافظ صلاح الدین یوسف صاحب لکھتے ہیں:

”لیکن چونکہ ان کے مزاج میں فرق تھا۔ بیوی کے مزاج میں خاندانی نسب و شرف رچا ہوا

تھا جبکہ زیدؓ کے دامن پر غلامی کا داغ تھا۔ ان کی آپس میں ان بن رہتی تھی جس کا تذکرہ حضرت زیدؓ ہی صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے رہتے تھے اور طلاق کا عندیہ بھی ظاہر کرتے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو طلاق دینے سے روکتے اور نباہ کرنے کی تلقین فرماتے... (قرآن کریم مع اردو ترجمہ و تفسیر - مطبوعہ شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلکس، تفسیری حاشیہ تحت لآیہ)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

”یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت زیدؓ سے حضرت زینبؓ کے تعلقات انتہائی کشیدہ ہو چکے تھے اور انہوں نے بار بار شکایات پیش کرنے کے بعد آخر کار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ میں ان کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔ حضرت زینبؓ نے اگرچہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم مان کر ان کے نکاح میں جانا قبول کر لیا تھا لیکن وہ اپنے دل سے اس احساس کو کسی طرح نہ مٹا سکیں کہ زیدؓ ایک آزاد کردہ غلام ہیں، ان کے اپنے خاندان کے پروردہ ہیں اور وہ عرب کے شریف ترین گھرانے کی بیٹی ہونے کے باوجود اس کم تر درجے کے آدمی سے بیاہی گئی ہیں۔ اس احساس کی وجہ سے ازدواجی زندگی میں انہوں نے کبھی حضرت زیدؓ کو اپنے برابر کا نہ سمجھا اور اسی وجہ سے دونوں کے درمیان تلخیاں بڑھتی چلی گئیں۔ ایک سال سے کچھ ہی زیادہ مدت گزری تھی کہ نوبت طلاق تک پہنچ گئی...“ (تفہیم القرآن جلد چہارم ص ۱۰۰)

حضرت زینبؓ کے متعلق مذکورہ تفسیری اقوال ہرگز ان کے شایان شان نہیں ہیں اور یہ درایت کے معیار پر بھی پورے نہیں اترتے کیونکہ:

اولاً:- یہ امور اسلام کی بنیادی تعلیم کے منافی ہیں۔

ثانیاً: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاندانی اونچ نیچ اور عدم تفاوت اور اس بنیاد پر حقارت کے جذبے کو ختم کرنے کی خاطر ہی اس شادی کا انتظام فرمایا تھا۔

ثالثاً: اگر نسبیت تفوق کی بناء پر حضرت زینبؓ، حضرت زیدؓ کے ساتھ نباہ نہیں کر سکیں تو پھر بعد میں حضرت ام کلثومؓ بنت عقبہ، حضرت درہ بنت ابی اہب اور حضرت ہندؓ

امام طبری --- کون؟

کیا حضرت زینبؓ ہی قصوروار ہیں؟

بنت عوام کا حضرت زیدؓ کے ساتھ نکاح کیوں کر عمل میں آیا؟ سخت حیرت ہے کہ ان اعلیٰ نسب خواتین کو بھی طلاق کے ذریعے ہی الگ کیا گیا۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ:

”ثم لما طلق زينب زوجة ام كلثوم بنت عقبة و أمها أروى بنت كرز و أمها البيضا بنت عبدالمطلب فولدت له زيد بن زيد و رقية ثم طلقها و تزوج هند بنت العوام أخت الزبير“ (الاصاب الجوزء الاول ص ۵۶۲۔ تحت زيد بن حارثہ ق ۸۹۰)

پھر جب زیدؓ نے زینبؓ کو طلاق دی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ کا نکاح ام کلثومؓ بنت عقبہ سے کر دیا۔ ام کلثومؓ کی ماں اروئی بنت کریر تھیں اور اروئی کی ماں بیضاء بنت عبدالمطلب تھیں۔ چنانچہ ام کلثومؓ سے حضرت زیدؓ کے یہاں زید بن زید اور رقیہ پیدا ہوئے پھر زیدؓ نے ام کلثومؓ کو بھی طلاق دے دی اور دورۂ بنت ابی لہب بن عبدالمطلب سے نکاح کر لیا پھر ان کو بھی طلاق دے دی اور ہند بنت العوام سے نکاح کر لیا جو ام المؤمنین سیدہ خدیجہؓ کی بہتیجی اور حضرت زبیرؓ بن عوام کی بہن تھیں۔

پیچھے ام کلثومؓ بنت عقبہ کے عنوان کے تحت یہ بتایا جا چکا ہے کہ ام کلثومؓ صلح حدیبیہ کے معاہدے کے بعد ۷ھ کے اوائل میں مدینہ ہجرت کر کے آئی تھیں اور ہجرت اولیٰ ۸ھ میں حضرت زیدؓ کی شہادت واقع ہو گئی تھی۔ اگر انہیں طلاق دے کر الگ نہ بھی کیا گیا ہوتا تو پھر بھی تقریباً پندرہ ماہ کے ازدواجی عرصہ کے دوران دو بچوں کا یکے بعد دیگرے پیدا ہونا ممکن نہیں ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ۵ھ میں طلاق دی گئی اور وہ اس کے بعد ذی قعدہ ۵ھ میں حرم نبوی میں داخل ہوئیں۔ ابن حجرؒ کی روایت کے مطابق حضرت زینبؓ کو طلاق دینے کے بعد تقریباً اڑھائی سال کے عرصہ کے دوران حضرت زیدؓ نے ۵۳ سے ۵۵ سال کی عمر میں تین مزید نکاح کئے اور بالآخر انہیں بھی طلاق کے ذریعے علیحدہ کر دیا گیا۔

اگر جمہور مفسرین کے قول کے مطابق حضرت زینبؓ کو نبیؐ تفوق و برتری کی وجہ سے طلاق ملی تھی تو ام کلثومؓ نے کیا خطا کی تھی کہ حضرت زیدؓ نے اپنے ”دو بچوں“ کی ماں کو بھی

امام طبری --- کون؟

کیا حضرت زینبؓ ہی قصوروار ہیں؟

طلاق دے دی، پھر تعجب کی بات یہ کہ ام کلثومؓ کو طلاق دینے کے بعد درّہ بنت ابی لہب سے ان کی شادی بھی فوراً ہو گئی کو یا ام کلثومؓ کو طلاق دینے کا یہ ”انعام“ تھا جو ہاشمیوں نے حضرت زیدؓ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ مگر بات یہیں پر ختم نہ ہوئی بلکہ اسلام کی محبت میں اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر کے آنے والی درّہ بنت ابی لہب کو بھی چند دنوں بعد حضرت زیدؓ سے طلاق دلوا دی گئی۔

درّہ بنت ابی لہب کو طلاق دینے کے بعد حضرت زیدؓ نے حضرت زبیرؓ بن ہند بنت عوام کے ساتھ شادی کر لی پھر جلد ہی انہیں بھی طلاق دے کر رخصت کر دیا گیا۔ تعجب ہے کہ راوی نے یہ نہیں بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ کے علاوہ دیگر خواتین کو طلاق دینے کے موقع پر بھی طلاق کو ”الغرض المباحات“ سمجھتے ہوئے حضرت زیدؓ کو ”أَمْسَبَكَ عَلَيْنَكَ زَوْجًا“ کا کوئی حکم دیا تھا۔

اگر آپؐ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دینے کے موقع پر حضرت زیدؓ کو طلاق نہ دینے اور اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا تھا تو بعد میں کسی ایسے حکم کا ذکر کیوں نہیں ملتا؟

حافظ ابن حجرؒ کی پیش کردہ روایت کے بموجب حضرت زیدؓ اعلیٰ نسب کی حامل خواتین کو بچے درپے طلاقیں دیتے رہے اور ان کے اولیاء ہر مامانے کے بجائے اپنی خواتین کے نکاح حضرت زیدؓ کے ساتھ کر کے ان کی حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ لگتا یہ ہے کہ جس طرح ام کلثومؓ کے کطن سے زید و رقیہ نامی ایک بیٹا اور ایک بیٹی حضرت زیدؓ کی طرف منسوب کر دیئے گئے اسی طرح کچھ خواتین کے ساتھ نکاح و طلاق کے افسانے بھی تراش لئے گئے۔

مختلف المسالک علماء کرام کے مذکورہ تفسیری اقوال سے یہ بات واضح ہے کہ میاں بیوی کے مابین جھگڑے میں اصل اور بنیاد قصور حضرت زینبؓ کا ہے جنہوں نے اپنے خاندانی نسب و شرف پر فخر اور غرور کرتے ہوئے حضرت زیدؓ پر لگے غلامی کے داغ کی وجہ سے انہیں گھٹیا اور حقیر جانا نیز ان کی نافرمانی کرتے ہوئے ان کے ساتھ تیز زبانی اور سخت گفتاری کا رویہ اپنا رکھا تھا۔ اور ایسا سلوک ایک مرتبہ نہیں ہوا بلکہ پورے ازدواجی (ایک

امام طبری۔۔۔ کون؟

کیا حضرت زینبؓ ہی قصوروار ہیں؟

سال سے زائد عرصہ تک برابر جاری رہا۔

اس طرح جمہور مفسرین کی تصریحات سے حضرت زینبؓ پر انتہائی گھٹاؤ نے الزامات عائد ہوتے ہیں کہ وہ خاوند کو حقیر و کم تر درجے کا سمجھتی رہیں، خاوند کی حق تلفی اور عدم اطاعت کی مرتکب ہوتی رہیں، ان کے ساتھ تیز گفتاری اور سخت مزاجی سے پیش آتی رہیں اور اپنے نسب پر فخر و غرور میں مبتلا رہیں۔ یہ رویہ اور سلوک اختیار کرنا کسی عام مسلمان خاتون کے بھی شایان شان نہیں ہے تو پھر اسے حضرت زینبؓ کے حق میں کیوں کر تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ بہر حال جمہور مفسرین کا یہی موقف ہے۔ اگر اسے بالفرض صحیح سمجھ لیا جائے تو پھر اس سے جہاں حضرت زینبؓ کا بحیثیت صحابیہ عظیم کردار بری طرح محروم ہوتا ہے تو وہیں یہ نظم قرآنی کے بھی خلاف ہے۔

جمہور مفسرین نے حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کے مابین نکاح کا واقعہ سورۃ الاحزاب کی حسب ذیل آیت کے تحت بیان کیا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۚ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ۝ (الاحزاب ۳۶)

کسی مومن مرد اور عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا اور جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ صریح گمراہی میں جا پڑے گا۔

امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زیدؓ کے لئے نکاح کا پیغام لے کر حضرت زینبؓ کے پاس گئے تو انہوں نے کہا: ”لست بنا کحہ“ میں ان سے نکاح نہیں کروں گی۔ آپؐ نے فرمایا: یوں نہ کہو، ان سے نکاح کر لو۔ حضرت زینبؓ نے کہا: پھر کچھ مہلت دیجئے میں کچھ سوچ لوں۔

”قیینما هما يتحدثان أنزل الله هذه الآية على رسول الله صلى الله عليه وسلم... قالت: قدر ضيقه لي يا رسول الله منكحاً؟ قال رسول الله صلى الله

امام طبری۔۔۔ کون؟

کیا حضرت زینبؓ ہی قصوروار ہیں؟

عليه وسلم: نعم۔ قالت: إذا لا أعصى رسول الله قد أنكحت نفسي۔“

(تفسیر ابن کثیر جلد ۳۔ ص ۴۹۱۔ طبع بیروت)
ابھی ان دونوں کے درمیان یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ وحی نازل ہوئی اور یہ آیت (۳۶) اتری۔ اسے سن کر حضرت زینبؓ نے فرمایا: یا رسول اللہ! کیا آپؐ نے زیدؓ کو میرے لئے بطور خاوند پسند کر لیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں تو حضرت زینبؓ نے جواب دیا کہ بس پھر مجھے کوئی انکار نہیں، میں اللہ کے رسول کی نافرمانی نہیں کرتی۔ میں نے اپنا نفس ان کے نکاح میں دے دیا۔

علاوہ ازیں اس نکاح سے مقصود جہاں اونچ نیچ کا خاتمہ اور مساوات قائم کرنا قرار دیا گیا ہے وہیں ایک وجہ یہ بھی بتائی گئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ زینبؓ کو حضرت زیدؓ کے ذریعے کتاب و سنت کی تعلیم سے بہرہ یاب کرانا چاہتے تھے۔ ملاحظہ ہو: طبرانی کبیر جلد ۴۔ ص ۳۹۔ حدیث نمبر ۱۰۹، مجمع الزوائد جلد ۹۔ ص ۲۹۰۔ حدیث نمبر ۱۵۳۴۲۔

علامہ ابن اثیر جزری (م ۶۳۰ھ) نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

”نزوجها ليعلمها كتاب الله و سنة رسوله“ (اسد الغلابہ جلد ۷ ص ۱۲۵)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ سیدہ زینبؓ حضرت زیدؓ کی بیوی ہی نہیں تھیں بلکہ ان کی شاگردہ بھی تھیں۔

جس عظیم اور بابر کردار خاتون نے اپنی رضا کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا پر ترجیح دیتے ہوئے اپنے نفس کو زیدؓ کے نکاح میں دے دیا ہو اور ان کی شاگردی بھی اختیار کر لی ہو تو پھر اس کے بارے میں جمہور مفسرین کی عائد کردہ ”فرد جرم“ کو کیوں کر قبول کیا جاسکتا ہے؟

کیا حضرت زینبؓ نسب پر فخر سے متعلق شرعی احکام سے آگاہ نہیں تھیں؟ کیا حضرت زینبؓ شوہر کی اطاعت اور اس کے حقوق سے بے خبر تھیں؟ کیا حضرت زینبؓ حضرت زیدؓ کے ساتھ نکاح کرنے کے بعد ”وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا“ کی آیت بھول گئی تھیں؟ (جبکہ اسی آیت کے پیش نظر ”إذا لا أعصى رسول الله“ کا اعلان

امام طبری --- کون؟

کیا حضرت زینبؓ ہی قصوروار ہیں؟

کرتے ہوئے زیدؓ سے نکاح پر رضامند ہوئی تھیں)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں جمہور کا بیان کردہ موقف ان جیسی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مطیع و فرمان بردار مومنہ و صحابیہ خاتون کے ہرگز ہرگز شایان شان نہیں ہے۔ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بَهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔

جمہور مفسرین نے شادی کی عدم کامیابی کی وجہ یہ بتائی ہے: زیدؓ پر غلامی کا دھبہ، زینبؓ کا عالی نسب ہونا، زیدؓ کو حقیر جاننا اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنا وغیرہ۔

اگر حضرت ام کلثومؓ، حضرت دُرّہ بنت ابی لہب اور حضرت ہند بنت عوام کے ساتھ حضرت زیدؓ کے نکاح کی بات صحیح ہے تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کے درمیان نسبی تفوق و برتری اور عدم کفایت کی بناء پر طلاق واقع نہیں ہوئی اور حضرت زینبؓ کا اپنے عالی نسب ہونے کی بناء پر زیدؓ کو گھٹیا اور حقیر سمجھ کر ان کی عدم اطاعت اور ان کے حقوق ادا نہ کرنا حضرت زینبؓ پر مفسرین کا محض الزام ہے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مفسرین کے قول کے مطابق حضرت زیدؓ بار بار حضرت زینبؓ کے اس ”غیر مناسب اور ناروا رویہ“ کی شکایات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے رہے اور آپ انہیں طلاق دینے سے روکتے رہے۔ مفسرین کی یہ بات تو صحیح ہے کہ یہ شکایات بار بار کی گئیں۔ حضرت زیدؓ کا بار بار آپ سے حضرت زینبؓ کی شکایت کرنا اگرچہ کسی روایت سے ثابت نہیں ہے تاہم قرآن مجید کے الفاظ: ”وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي...“ سے یہ مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ ایسا بار بار ہوا ہوگا کیونکہ اگر یہ بات ایک ہی مرتبہ کہنے کی نوبت آئی ہوتی تو: ”قُلْتُ“ کہنا کافی تھا۔ ”تَقُولُ“ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت زیدؓ نے اپنے طلاق دینے کے ارادے کا اظہار کئی بار کیا لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بار انہیں اس فعل سے باز رہنے کا حکم دیا۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملے میں حضرت زینبؓ بالکل قصوروار نہیں تھیں کیونکہ اگر وہ قصوروار ہوتیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بار بار حضرت زیدؓ کو طلاق نہ دینے کا

امام طبری --- کون؟

کیا حضرت زینبؓ ہی قصوروار ہیں؟

حکم کیوں دیتے؟ نیز اگر وہ قصوروار ہوتیں تو اگر آپ بار بار حضرت زیدؓ کو منع فرما سکتے تھے تو دونوں کے مابین مصالحت ہی کی غرض سے حضرت زینبؓ کو بھی کم از کم ایک مرتبہ حضرت زیدؓ کے ساتھ حسن معاشرت کی ضرورت نصیحت فرماتے مگر کسی ضعیف سے ضعیف حتیٰ کہ کسی موضوع حدیث میں بھی یہ بات نہیں پائی جاتی۔ اگر حضرت زینبؓ، حضرت زیدؓ کو گھٹیا اور حقیر سمجھتیں، ان کی عدم اطاعت کرتیں، ان کے حقوق ادا نہ کرتیں، ان سے بدسلوکی کرتیں اور ان پر اپنا نسبی تفوق جتاتیں تو آپ ضرور انہیں سمجھاتے۔ سخت حیرت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ کو سمجھانے کے بجائے ہر بار حضرت زیدؓ کو ہی طلاق دینے سے روکا۔

علاوہ ازیں حضرت زینبؓ کے فضائل و مناقب اور تقویٰ و خشیت اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ جمہور مفسرین کے حضرت زینبؓ پر عائد کردہ الزامات غلط ہیں۔

مزید برآں قرآن کریم کے الفاظ ”وَإِنِّي إِلَٰهٌ“ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت زینبؓ قصوروار نہیں ہیں۔ کیونکہ ان الفاظ میں ”تنبیہ“ حضرت زیدؓ کو کی گئی ہے نہ کہ حضرت زینبؓ کو، اگر وہ قصوروار ہوتیں تو انہیں بھی ضرور تنبیہ کی جاتی۔

اگر حضرت زینبؓ نسبی تفوق و برتری کی بناء پر حضرت زیدؓ کو حقیر اور کم تر درجے کا سمجھ کر ان کے ساتھ تیز مزاجی اور تیز گفتاری کا مظاہرہ کرتیں تو پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زیدؓ سے ”إِنِّي إِلَٰهٌ“ (یعنی اللہ کا خوف کر) کہنے کا کیا موقع تھا؟ بلکہ اس کے برعکس آپ حضرت زیدؓ کو یہ نصیحت فرماتے کہ زینبؓ کی بدسلوکی، تیز گفتاری اور تیز مزاجی پر صبر کریں اور انہیں طلاق دینے سے اجتناب کریں اور ان کے ساتھ خوش گواری زندگی گزارنے کی کوشش کرتے رہیں۔

حضرت زیدؓ کی حضرت زینبؓ کے ”خلاف“ بار بار شکایت کرنا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے باوجود حضرت زینبؓ کو سمجھانے کے بجائے حضرت زیدؓ ہی کو ”إِنِّي إِلَٰهٌ“ کہنے کا واضح مطلب یہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ کے خلاف ان شکایات کو درست نہیں سمجھا اور آپ کو ان میں طلاق دینے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آئی۔

امام طبری --- کون؟

کیا حضرت زینبؓ ہی قصور وار ہیں؟

امام ابو عبد اللہ قرطبی نے ”اتَّقِ اللَّهَ“ کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ:

”.....وقيل: ”اتَّقِ اللَّهَ“ فلا تَلْعَمُهَا بالنسبة إلى الكبر و أذى الزَّوْج“

(تفسير قرطبی جلد ۱۴ - ص ۱۹۱)

..... اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ”اتَّقِ اللَّهَ“ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ سے ڈرو اور حضرت

زینبؓ کی طرف اذیت خاوند اور نسی تفوق کی نسبت کر کے ان کی برائی مت بیان کرو۔

اگر حضرت زینبؓ فی الواقع قصور وار ہوتیں تو حضرت زیدؓ کے ارادہ طلاق کو منافی تقویٰ قرار دے کر ”اتَّقِ اللَّهَ“ سے کیوں مخاطب کیا جاتا؟ پھر اس تمام معاملے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ طلاق واقع ہو جانے کے بعد بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زینبؓ کو مظلوم اور مستحق ہمدردی سمجھتے ہوئے ان کی دل جوئی کی کوشش فرمائی۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا پر ”تفوق نسبی، تیز مزاجی اور تیز گفتاری“ کے جو الزامات عائد کئے گئے ہیں وہ درست نہیں ہیں۔ اگر بالفرض انہیں درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت زیدؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دینے کے بعد ام کلثومؓ بنت عقبہ، ذہ بنت ابی لہب اور ہند بنت عوام کو کس بنیاد پر طلاق دی جبکہ یہ خواتین بھی اعلیٰ نسب کے ساتھ تعلق رکھتی تھیں۔ کیا یہ سب خواتین بھی ”نسبی تفوق، تیز مزاجی اور تیز گفتاری“ کے مرض میں مبتلا تھیں؟ العیاذ باللہ

کیا یہ خواتین اس بات سے بے خبر تھیں کہ حضرت زیدؓ، حضرت زینبؓ کو طلاق دے چکے ہیں۔ پھر انہوں نے ان کے نکاح میں آنا کیوں قبول کیا؟

حضرت زیدؓ نے پانچ شادیاں کیں ان میں سے تین کو طلاق دے دی گئی جبکہ ایک بیوی ہند بنت عوام کے ساتھ نکاح کے بعد حضرت زیدؓ جنگ موتہ میں بحیثیت قائد لشکر شرکت کرنے کے لئے تشریف لے گئے اور وہیں جمادی الاولیٰ ۸ھ میں موتہ کے مقام پر شہید ہو گئے۔ البتہ حضرت ام ایمنؓ کے ساتھ شروع سے آخر تک نباہ رہا۔ ان کے حالات پیچھے لکھ چکے ہیں۔

اب یہ سوال حل طلب ہے کہ حضرت زیدؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے

امام طبری --- کون؟

کیا حضرت زینبؓ ہی قصور وار ہیں؟

کے باوجود سیدہ زینبؓ کو طلاق کیوں دی؟

امام طبری اور امام جلال الدین محلی نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دن ان پر نگاہ پڑ گئی تھی جس کی وجہ سے آپؐ کے دل میں ان کی محبت کھب گئی تھی جبکہ دوسری طرف حضرت زیدؓ کے دل میں ان کی کراہت اور ناپسندیدگی نے گھر کر لیا تھا جو بالآخر طلاق پر منتج ہوئی۔

بعض حضرات نے یہ توجیہ پیش کی ہے کہ حضرت زیدؓ کی نفسیاتی گرہ کی وجہ سے کسی بھی عالی نسب خاتون کے ساتھ نباہ نہیں کر سکے اور نکاح کے بعد جلد ہی نوبت طلاق تک پہنچ جاتی تھی۔ ان کی تمام شادیوں میں سے صرف ایک شادی ام ایمنؓ (جوان کی ہم کفو تھیں) کے ساتھ کامیاب ہوئی۔ ام ایمنؓ اگرچہ ان سے عمر میں تقریباً دو چند بڑی تھیں۔ نکاح کے وقت حضرت زیدؓ کی عمر ۳۳ یا ۳۴ سال تھی جبکہ ام ایمنؓ کی عمر ۶۰ سال سے زائد تھی جن سے ایک بیٹے اسامہؓ تولد ہوئے تاہم لوگوں نے ان کے نسب میں شک کا اظہار کیا جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشانی لاحق ہوئی۔

مفکر اسلام مولانا مفتی محمود صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:

”حضرت اسامہؓ کی والدہ جھیہ تھیں اس لئے حضرت اسامہؓ کی رنگت سیاہ تھی جبکہ حضرت زیدؓ کو رے رنگ کے تھے۔ بعض جاہل لوگ حضرت اسامہؓ کے نسب کے متعلق لب کشائی کرتے تھے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوتی تھی۔ بنو مدلج کے ایک قیافہ شناس شخص ایک دن اتفاق سے آگئے۔ حضرت زیدؓ اسامہؓ دونوں ایک ہی چادر کے نیچے لیٹے ہوئے تھے۔ دونوں کے قدم باہر تھے۔ مدلجی قیافہ شناس نے کہا کہ ان دونوں کے قدم بعض بعض سے ہیں یعنی ایک دوسرے سے ملتے ہیں جیسے عموماً ماں باپ اور اولاد کے درمیان صورت و سیرت میں مشابہت ہوتی ہے۔ یہ بات سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔

چنانچہ صحیح بخاری میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے تو خوشی کی وجہ سے آپؐ کا چہرہ کھل رہا تھا۔ پھر فرمایا: کیا تو نے

سنائیں کہ مد لُحی (قیافہ شناس) نے حضرت زیدؓ اور اسامہؓ کے متعلق کیا کہا ہے؟ جب ان دونوں کے قدموں کو دیکھا تو کہا کہ بے شک یہ قدم ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں“ (تفسیر محمود جلد سوم ص ۱۰۱-۱۱۰)

بعض حضرات نے اسے حضرت زینبؓ کا ”نسوانی نقص“ قرار دیا جبکہ بعض مفسرین نے اسے خود حضرت زیدؓ کا عیب بتلایا کہ وہ ازدواجی تعلق قائم کرنے میں ناکام رہے اور ان سے استمتاع نہیں کر سکے اسی لئے سیدہ زینبؓ پر طلاق کے بعد عدت کا گزارنا ضروری نہ تھا کیونکہ وہ غیر مسموسہ اور غیر مدخولہ تھیں، علامہ آلوسی نے ایک قول نقل کیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت زیدؓ، حضرت زینبؓ سے استمتاع نہیں کر سکے۔ حضرت زینبؓ کہتی ہیں کہ: میری طرف سے میرے پاس آنے کے لئے زیدؓ کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ تھی خود اللہ تعالیٰ نے ہی انہیں میرے پاس آنے سے روک رکھا تھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت زیدؓ کا جس روز حضرت زینبؓ کے پاس جانے کا ارادہ ہوتا تو ان کا بدن متورم ہو جاتا تھا، اس لئے زیدؓ، زینبؓ کے پاس جانے سے رک جاتے تھے۔ ملاحظہ ہو: روح المعانی جلد ۲۲ ص ۲۵۔ شیخ حسین علی الوائلی نے بھی سیدہ زینبؓ کا غیر مدخولہ ہونا ثابت کیا ہے (بلغة الحیر ان ص ۲۶۵، جواہر القرآن جلد ۳ ص ۹۳۰، البحر المحیط جلد ۷ ص ۲۳۵)

بہر حال اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کا معاملہ اس سطح تک پہنچ گیا جس کی بناء پر حضرت زیدؓ نے طلاق دے دی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت زینبؓ کو بلند مقام عطاء کیا یعنی انہیں ازواج مطہرات اور امہات المؤمنین میں شامل کر دیا۔

سیدہ زینبؓ بحیثیت ام المؤمنین

سیدہ زینبؓ کے طلاق تک کے حالات بیان ہو چکے ہیں۔ چونکہ سیدہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش پر حضرت زیدؓ کے ساتھ نکاح پر آمادگی کا اظہار کیا تھا اس لئے آپؐ نے طلاق وعدت کے بعد بحکم الہی ان کی تالیف قلب و دل جوئی اور سب سے بڑھ کر رسم تنقیہ کے خاتمہ کے لئے خود ان سے ذی قعدہ ۵ھ میں نکاح فرمایا۔ اس وقت سیدہ کی عمر ۳۵ یا ۳۸ سال تھی۔ بعض حضرات نے ۴ھ میں شادی کا قول نقل کیا ہے۔ یہ ان تمام علماء کا قول ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ حجاب کا حکم ۴ھ میں نازل ہوا۔ اس لئے کہ حجاب کا حکم زینبؓ کی شادی ہی کے موقع پر نازل ہوا تھا۔ علامہ دمیاہی نے حجاب کا حکم نازل ہونے کے حوالے سے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی ایک جگہ یہی لکھا ہے کہ حجاب کے متعلق مشہور ترین قول یہی ہے۔ ابن سید الناس نے تو واضح طور پر لکھا ہے کہ صحیح ترین قول یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینبؓ سے ۴ھ میں شادی کی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ملاحظہ ہو: فتح الباری جلد ۷ ص ۵۳۷، جلد ۸ ص ۵۸، بیون الارض ص ۴۴۱۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شادی کے موقع پر ایک شاندار اور بزرگوار دعوت ولیمہ کا اہتمام فرمایا جس میں تقریباً ۳۰۰ صحابہ کرامؓ نے شرکت کی چنانچہ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں:

”مارأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أولم علی امرأة من نسائه ما أولم علی زینب فانہ ذبح شاة“ (صحیح مسلم۔ کتاب النکاح)

میں نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی زوجہ محترمہ کے ویسے پر اتنا اہتمام کیا ہو جتنا اہتمام سیدہ زینبؓ کے ویسے پر کیا۔ آپؐ نے بکری ذبح فرمائی۔

حضرت زینبؓ کے نکاح کی چند ایسی خصوصیات ہیں جو کہیں اور نہیں پائی جاتیں۔ ان کے نکاح سے جاہلیت کی وہ رسم مٹ گئی جس کی رو سے عہنی کی مطلقہ یا بیوہ کے ساتھ نکاح کی ممانعت تھی۔ اس نکاح سے مساوات اسلامی کا وہ عظیم الشان منظر سامنے آیا کہ آزاد و غلام کی تمیز اٹھ گئی، پردہ کا حکم نازل ہوا، نکاح کے لئے وحی آئی اور ولیمہ میں تکلف ہوا۔ سیدہ

زینب رضی اللہ عنہا وصال نبوت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم میں سے سب سے پہلے مجھ سے وہ (بیوی) ملے گی جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہوں گے۔ ازواجِ مطہرات اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ہی کے ہاتھ ہم سب سے لمبے تھے کیونکہ وہ اپنے ہاتھوں سے کماتی تھیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتی تھیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا اس وقت ہمیں ہاتھ لمبے ہونے کا مطلب سمجھ آیا کہ اس سے مراد کثرت کے ساتھ صدقہ و خیرات کرنا ہے۔ یعنی صدقہ و خیرات کرنے میں کس (عورت) کا ہاتھ لمبا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ جلد ۱ ص ۹۱، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۹۱۔ باب من فضائل زینب ام المؤمنینؓ)

ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ۲۰ھ میں وفات پائی اس وقت ان کی عمر ۵۳ سال تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق آپؐ کی وفات کے بعد امہات المؤمنین میں سے سب سے پہلے سیدہ زینبؓ ہی نے وفات پائی۔ جب انہوں نے موت کے آٹا روکھتے تو لو حقیق سے کہا: میرا آخری وقت آچکا ہے، میں نے اپنا کفن خود تیار کر رکھا ہے، اگر حضرت عمرؓ میرے لئے کفن بھیجیں تو ان دونوں میں سے کوئی ایک کفن صدقہ کر دینا۔ چنانچہ ان کی بہن سیدہ حمنہ بنت جحشؓ نے ان کا اپنا تیار کردہ کفن صدقہ کر دیا اور حضرت عمرؓ کا ارسال کردہ کفن استعمال کر لیا۔ اس دن گرمی بہت شدید تھی جہاں قبر کھودی جا رہی تھی وہاں حضرت عمرؓ نے قبر کھودنے والوں کے لئے خیمہ لگوا دیا تھا تاکہ گرمی کی شدت کم ہو جائے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی نماز جنازہ چار تکبیرات کے ساتھ پڑھائی اور محمد بن عبد اللہ بن جحشؓ اور اسامہ بن زیدؓ نے جنت البقیع میں قبر میں اتارا۔ ان کی وفات پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: افسوس! آج ایک ایسی خاتون رخصت ہو گئی جو بڑے پسندیدہ اور صاف والی، نیک بخت، عبادت گزار اور قیہموں اور بیواؤں کو سہارا دینے والی تھی۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے پیچھے کوئی درہم نہیں چھوڑا۔ صرف ایک مکان تھا جسے دارثوں نے پچاس ہزار درہم میں خلیفہ ولید بن عبد الملک کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس نے یہ مکان گرا کر مسجد نبوی کے صحن کی توسیع کر دی۔ (الطبقات لابن سعد جلد ۸ ص ۱۱۴)

اختتامیہ

الحمد للہ! اس کے ساتھ ہی واپس مل بھٹ مکمل ہو گئی ہے جس کا آغاز ملک کے نامور صحافی اور دینی حمیت سے سرشار جناب اوریا مقبول جان صاحب نے اپنے ایک کالم: ”ہمارے افسانہ ساز مؤرخین“ میں کچھ اس طرح کیا تھا کہ: ”طبری عام مسلمانوں کی بات کرتا تو برداشت تھا لیکن اس نے تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے بارے میں بھی دھندلے من گھڑت قصے اس قدر فضول اور بیہودہ انداز میں تحریر کئے ہیں کہ انہیں درج کرنے کی بھی ہمت نہیں پاتا۔“ (روزنامہ ایکسپریس ۸ جولائی ۲۰۱۵ء)

اس کے جواب میں مولانا اسماعیل ربیعان صاحب نے روزنامہ ”اسلام“ میں ”علامہ طبری۔ مؤرخ مجتہد یا افسانہ ساز“ اور ”احتیاط لازم ہے“ کے عنوانات سے ۹ کالم سپرد قلم فرمائے پھر جواب الجواب میں اوریا مقبول جان صاحب نے اپنے پہلے موقف کو ہی دہرایا کہ:

”طبری پر لکھنا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنا فرض سمجھتا تھا۔ کیونکہ دو واقعات ایک حضرت زینبؓ اور حضرت زیدؓ کی طلاق اور دوسرا واقعہ غرائیق طبری نے جس انداز میں بیان کیا ہے کوئی انہیں کالم میں لکھنے کی ہمت تو ایک طرف پڑھنے کی برداشت نہیں رکھتا۔“ (روزنامہ ایکسپریس ۴ ستمبر ۲۰۱۵ء، زیر عنوان: ”خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے“)

قارئین کرام! تفسیر الطبری اور تاریخ الامم والملوک کے سرسری مطالعہ کے بعد راقم الحروف اپنی دینی، شرعی اور اخلاقی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے جناب اوریا مقبول جان صاحب کے جذبات، خیالات اور احساسات کی قدر کرتا ہے اور اس بات کا اظہار ضروری سمجھتا ہے کہ ”امام ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید طبری“ نے اپنی کتب ”جامع البیان فی تاول القرآن“ اور ”تاریخ الامم والملوک“ میں حضرت آدم، حضرت ابراہیم، حضرت یوسف، حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور سید الانبیاء علیہم السلام کے بارے میں جو روایات نقل کی ہیں وہ ہر اس عقیدہ عصمت انبیاء کے منافی اور انبیائے کرام کی توہین پر مبنی ہیں۔

علامہ ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ: ”ولا جل ذلك قال ائمتنا لا يجوز لأحد أن یتبع“

زَلَّاتِ الْعُلَمَاءُ أُمِّي لَمْ يَبْعَثِ الْعُلَمَاءُ قَدِيدِي اجتهاده إلى أمر بعيد جدًا من الأدلة والقواعد فيعد ذلك كالزلة و يمنع غيره من تقليده فيها“ (تطهير البیان واللسان ص ۴۹)

اسی وجہ سے ہمارے سائنس نے کہا ہے کہ:

کسی شخص کے لیے علماء کی لغزشوں کا اتباع جائز نہیں۔ یعنی بعض علماء سے کبھی اجتہادی غلطی ہو جاتی ہے اس غلطی میں ان کی تقلید نہ چاہیے۔ (تنویر الایمان ترجمہ تطہیر البیان از مولانا عبدالشکور لکھنوی ص ۱۲۱)

سنن دارمی کی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ نے زیاد بن حذیر سے کہا کہ:

”هل تعرف ما يهدم الإسلام قال قلت لا قال يهدمه زلة العالم وجمال المنافق بالكتاب وحكم الأئمة المضلّين“ (مشکوٰۃ کتاب العلم)

کیا جانتے ہو کہ اسلام کو کیا چیز گرا دیتی ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا: اسلام کو عالم کی لغزش، منافق کا قرآن میں جھگڑنا اور گمراہی کی حکومت تباہ کر دے گی۔

لیکن براہِ تعصب اور اکابر پرستی کا کہ یہاں جو پورے ادب و احترام کے ساتھ اکابر کی کسی رائے کے ساتھ اختلاف یا عدم اتفاق کا اظہار کر دے تو اسے ”خطائے بزرگاں گرفتار خطا است“ کی رو سے گستاخ اکابر اور گردن زدنی قرار دے دیا جاتا ہے۔

جو شخص کسی بزرگ کے ذاتی معاملات کو ہدفِ تنقید بنائے یا ان کی اخلاقی اور بشری کمزوریوں کی بناء پر ان کے کردار پر کچڑا چھالے تو یہ شخص بلاشبہ قابلِ مذمت ہے لیکن دینی و اعتقادی غلطیوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ان پر، پردہ ڈالنا اور انہیں نظر انداز کرنا انتہائی مذموم ہے اور امت کو گمراہی کے راستے پر ڈالنا ہے۔ کیونکہ یہ اکابر اپنے اپنے حلقہ اثر میں ”مقتداء“ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے ایسے طبقہ کی اعتقادی خطاؤں کو طشت ازبام کر کے ان کی اصلاح کرنا، انبیاء عظام اور صحابہ کرامؓ کا دفاع کرنا اہم فریضہ ہے۔

در اصل ”علو عقیدت“ ایک مہلک بیماری ہے۔ مقابلہ پرستی اور اکابر پرستی ”عزیر ابن اللہ، مسیح ابن اللہ، اور وہ، سواع، یحوت، یعوق، نسر، لات، منات، جبل و عزرائیل کی عبادت اسی ”علو“ ہی کا نتیجہ

ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس ”علو“ سے منع فرمایا ہے: ”لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق، لا تغلوا فی دینکم غیر الحق“ (النساء ۷۷، المائدہ ۷۷)۔ یہی حال کفار مکہ کا تھا کہ: ”واذا قيل لهم اتبعوا ما انزل الله قالوا بل نتبع ما الفينا عليه آباءنا۔“ (البقرہ ۱۷۰)

الحمد للہ! ائمہ المحروف اکابر علماء حق کی دینی خدمات کا اعتراف اور معروفات میں ان کا پیرو ہے البتہ ”علو عقیدت اور اکابر پرستی“ سے ضرور عیزا رہے۔ جب دین میں ”علو“ ممنوع ہے تو علمائے دین کے بارے میں ”علو“ روا رکھنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ مگر کتابوں اور اشتہاروں میں علماء و مشائخ کے ”القبالات“ پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ان غالی معتقدین کے نزدیک ان اکابر کا مقام و مرتبہ صحابہ کرامؓ سے بھی بڑھ کر ہے۔ ”علو“ افراط اور تفريط دونوں کا مجموعہ ہے۔ حد سے کمی ”تفريط“ اور حد سے زیادتی ”افراط“ ہے۔ یہ دونوں مذموم اور ممنوع ہیں جب کہ امت مسلمہ کا وصف ہی ”وسط واعتدال“ ہے۔ محبت و عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے بھی افراط و تفريط سے پاک راہِ اعتدال اختیار کرنی چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ: لا تطرونی کما أطرت النصارى عیسیٰ ابن مریم فإنما أنا عبدہ فقولوا عبد اللہ ورسولہ“ (صحیح بخاری) میری اس طرح حد سے بڑھ کر تعریف نہ کرنا جس طرح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی نصاریٰ نے کی ہے۔ میں تو صرف اس کا بندہ ہوں، تم بھی ”عبد اللہ ورسولہ“ ہی کہو۔

باری تعالیٰ ہمیں انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت اور صحابہ کرام و اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ناموس کا تحفظ اور دفاع کرنے اور ان کے ساتھ صحیح عقیدت اور سچی محبت رکھنے کے ساتھ ساتھ آخرت میں ان کی معیت نصیب فرمائے۔ آمین یا اللہ العالمین۔

إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

خطیب مرکزی جامع مسجد سیدنا معاویہؓ چوک حویلیاں

کیم رجب ۱۴۳۷/۱۹ اپریل ۲۰۱۶ء

مآخذ و مصادر و مراجع

نمبر شمار	نام کتب	
1	قرآن مجید	
	کتب تفسیر:	
2	آسان ترجمہ قرآن - تشریحات	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب
3	احسن التفسیر المعروف بہ تفسیر بے نظیر - محشی "بدر منیر"	شیخ الحدیث و التفسیر مولانا سید محمد حسین شاہ نیلوئی
4	احکام القرآن	قاضی ابوبکر ابن العربی م ۵۴۳ھ
5	ارشاد اھل السلیم الی مزایا القرآن الکریم تفسیر ابن سعود	شیخ الاسلام امام ابو سعود (م ۹۸۲ھ)
6	المحرر المکیط	امام ابو حیان اندلسی (م ۴۵۵ھ)
7	التفسیر الکبیر	امام فخر الدین رازی (م ۶۰۶ھ)
8	"الجامع لاحکام القرآن المعروف بہ تفسیر قرطبی"	امام ابو عبد اللہ قرطبی مالکی (۶۷۱ھ)
9	"الدر المصون فی علوم الکتاب المکنون"	علامہ سمین حلبی دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان
10	الدر المشرور	جلال الدین سیوطی
11	الفتوحات الالہیہ	علامہ سلیمان بن عمر الجمل الشافعی (م ۱۲۰۲ھ)
12	بلغة الحیران	شیخ الوائلی
13	بیان القرآن	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
14	تاریخ تفسیر و مفسرین	پروفیسر غلام احمد حریری
15	تبیان القرآن	علامہ غلام رسول سعیدی (م ۲۰۱۶ء)

16	مدبر قرآن	مولانا امین احسن اصلاحی
17	تفسیر القرآن العظیم، بیروت - الطبعة الثالثة	امام ابن کثیر (م ۷۴۳ھ)
18	تفسیر جلالین	جلال الدین محلی، جلال الدین سیوطی
19	تفسیر حقانی	مولانا عبدالحق حقانی دہلوی (م ۱۳۳۵ھ)
20	تفسیر عثمانی	مولانا شبیر احمد عثمانی (م ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۴۹ء)
21	تفسیر ماجدی مطبوعہ لاہور	مولانا عبدالمجید دریا بادی (م ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۷ء)
22	تفسیر محمود مطبوعہ جمعیت تبلی کیشنز لاہور	مفتی اسلام مولانا مفتی محمود صاحب (۱۹۷۹ء)
23	تفسیر مراغی	محمد مصطفیٰ بن محمد بن عبدالمعزم المراغی ۱۳۶۶ھ
24	تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ بانی بقی (۱۳۲۵ھ)
25	تفسیر القرآن	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (م ۱۹۷۹ء)
26	جامع البیان عن تاویل آی القرآن - طبع بیروت	امام محمد بن جریر الطبری
27	جواهر القرآن	شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان (م ۱۹۸۰ء)
28	خزانة العرفان - تفسیری حاشیہ بر "کنز الایمان"	صدرالافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی
29	روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی	سید محمود آلوسی (م ۱۲۷۰ھ)
30	زاد المسیر - طبع بیروت ۱۴۰۷ھ	امام ابن جوزی حبلی (م ۵۹۷ھ)
31	ضیاء القرآن	میر محمد کرم شاہ ازہری
32	علوم القرآن	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی
33	فتح القدر	ابوعلی محمد بن علی بن عبد اللہ شوکانی (م ۱۲۵۰ھ)
34	قصص القرآن	مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی

35	گلدستہ تفاسیر	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
36	لباب التأویل فی معالم التقریل	علی بن محمد علاء الدین المعروف بالنازن (م ۷۴۱ھ)
37	مدارک التقریل	علامہ نسفی حنفی
38	مسائل الرازی و أجوبتها من غرائب آی التنزیل مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور۔ کراچی	امام زین الدین محمد بن ابی بکر الرازی (م ۶۶۶ھ)
39	معارف القرآن	مولانا محمد ادریس کاندھلوی
40	معارف القرآن	مفتی محمد شفیع صاحب (م ۱۳۹۶ھ)
41	محاضرات قرآنی	پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی
کتاب حدیث:		
42	الکواکب الدراری فی شرح صحیح البخاری	محدث طویل علامہ محمد بن یوسف بن علی بن سعید شمس الدین کرمانی ۷۱۷ھ " ۷۸۶ھ
43	المستدرک	امام حاکم نیشاپوری م ۴۰۵ھ
44	انوار الباری اردو شرح صحیح بخاری	مولانا سید احمد رضا بجنوری
45	تکمیل فتح الباری مکتبہ دارالعلوم کراچی	مفتی محمد تقی العثماني
46	جامع ترمذی	ابو عیسیٰ ترمذی
47	سنن ابی داؤد	ابو داؤد سلیمان بن الاشعث سجستانی م ۲۷۵ھ
48	سنن نسائی	ابو عبد الرحمن بن شعب بن علی انسائی م ۳۰۳ھ
49	شرح صحیح مسلم	امام نووی (م ۶۷۴ھ)
50	شرح معانی الآثار	امام طحاوی
51	صحیح بخاری	امام بخاری
52	صحیح مسلم	امام مسلم

53	عمدة القاری شرح صحیح بخاری	ابو محمد بدر الدین عینی ۸۵۵ھ
54	فتح الباری	الحافظ ابن حجر
55	فتح الباری	علامہ شبیر احمد عثمانی
56	فیض الباری	علامہ محمد انور شاہ کاشمیری (م ۱۳۵۲ھ)
57	کشف الباری	مولانا سلیم اللہ خان صاحب
58	مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	علامہ علی القاری
59	مسند احمد	امام احمد بن حنبل م ۲۴۱ھ
60	نصب الراية طبع جدید و طبع قدیم۔	فخر الدین الزیلعی
61	نوادرا الوصول	نکیم ترمذی ابی عبد اللہ محمد بن علی بن حسن بن بشیر الموزن النکیم ترمذی ۵۰۵ھ
کتاب سیرت:		
62	اصح السیر فی حدی خبر البشر	ابو البرکات مولانا حکیم عبدالرؤف دانا پوری
63	الشفاء بصریف حقوق المصطفی	قاضی عیاض (م ۵۴۴ھ)
64	الصادق الامین	مؤلفہ ڈاکٹر محمد لقمان السلفی
65	الصارم المسلول	ابن تیمیہ
66	المواهب اللدنیہ	احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبد الملک قسطلانی قسیمی بصری ۸۵۸ھ ۹۲۳ھ
67	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم از دواچی زندگی	جناب ڈاکٹر حافظ محمد ثانی
68	سیرت ابن ہشام	ابو محمد عبد الملک بن محمد بن ہشام م ۳۱۳ھ
69	سیرت انسائیکلو پیڈیا	دار السلام لاہور
70	سیرت رحمت للعالمین	قاضی سلمان منصور پوری
71	سیرت النبی مطبوعہ لاہور۔ ۱۹۷۵ء	علامہ شبلی نعمانی م ۱۹۱۴ء
72	سیرت المصطفی	مولانا محمد ادریس کاندھلوی (م ۱۹۷۴ء)

امام طبری --- کون؟ مآخذ و مصادر و مراجع

73	سیرت محمدی	سر ولیم میور
74	سیرت کے سچے موتی	مولانا امیر حمزہ
75	شرح الشفاء	ملا علی القاری
76	ضیاء النبیؐ	پیر محمد کرم شاہ ازہری
77	محمد رسول اللہ	محمد الصادق امراہیم عرجون
	کتب تاریخ:	
78	الاخبار الطوال	ابو حنیفہ الدینوری (م ۲۸۲ھ)
79	تاریخ الاسلام	امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ)
80	البدایہ والنہایہ	امام ابن کثیرؒ (م ۷۴۷ھ)
81	اکامل فی التاریخ	علامہ ابن اثیر جزری
82	تاریخ افکار علوم اسلامی	استاذ علامہ محمد راغب الطباخ (م ۱۳۷۰) مترجمہ مولانا افتخار احمد ملکی
83	تاریخ الامم والملوک - طبع بیروت	ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری م ۳۱۰ھ
84	تاریخ بغداد	خطیب بغدادی
85	تاریخ طبری دیاچہ، نفیس اکیڈمی کراچی	از شبیر حسین قریشی
86	تاریخ طبری	مترجمہ محمد امراہیم
87	تاریخ طبری	مترجمہ رشید احمد
88	تاریخ یعقوبی	احمد بن یعقوب (م ۲۸۴ھ)
89	خلافت اسلامیہ	مؤلفہ مولانا عبد القدوس ہاشمی
90	مروج الذهب	علامہ مسعودی (م ۳۴۶ھ)
	کتب علوم الحدیث:	
91	الباعث الحثیث شرح إختصار علوم الحدیث - طبع کویت	احمد محمد شاہ

امام طبری --- کون؟ مآخذ و مصادر و مراجع

92	الرفع والتکمیل فی الجرح والتعديل	علامہ ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی م ۱۳۰۴ھ
93	تنزیہ الشریعۃ المرفوعہ	امام ابن عراق الکنتانی (م ۹۲۳ھ)
94	شرح نخبة الفکر	حافظ ابن حجر العسقلانی
95	مقدمہ ابن الصلاح	امام ابن صلاح
96	منہاج السنۃ النبویہ	امام ابن تیمیہ
	طبقات و اسمائے رجال:	
97	احوال الرجال - المکتبۃ الاشرفیہ شیخوپورہ	امام جوزجانی
98	التاریخ الکبیر	امام بخاری (م ۲۵۶ھ)
99	الجرح والتعديل	ابن ابی حاتم
100	الطبقات الکبریٰ	محمد بن سعد م ۲۴۰ھ
101	اکامل فی ضعفاء الرجال	حافظ ابن عدی
102	الکفی واللقاب	مطبوعہ تہران
103	المجروحین من المحدثین	حافظ ابن حبان البستی (م ۴۵۸ھ)
104	المدخل الی الصحیح - مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ - بیروت ۱۹۸۴ء	امام حاکم نیشاپوری م ۴۰۵ھ
105	المغنی فی الضعفاء	للذہبی
106	الوافی بالوفیات للصفی	مطبع ہاشمیہ دمشق ۱۹۵۳ء
107	بغیۃ السعۃ فی طبقات اللغویین والنحاة	امام جلال الدین سیوطی م ۹۱۱ھ
108	تاریخ کبیر	امام بخاری م ۲۵۶ھ
109	تذکرۃ المفسرین مطبوعہ دارالارشاد - انک ۱۴۰۱ھ	حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب (م ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء)
110	تقریب البندیہ	حافظ ابن حجر العسقلانی م ۸۵۲ھ

امام طبری --- کون؟ مآخذ و مصادر و مراجع

111	تہذیب التہذیب	حافظ ابن حجر عسقلانی
112	تہذیب الکمال	ابن الحجاج جمال الدین المزی
113	سولات البرقانی	امام دارقطنی
114	سیر اعلام النبلاء	امام نسائی
115	طبقات ابن سعد ردو۔ نفیس اکیڈمی کراچی	علامہ محمد بن سعد (م ۲۴۰ھ)
116	طبقات الشافعیۃ الکبریٰ	تاج الدین سبکی (م ۷۵۶ھ)
117	طبقات المفسرین	امام جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)
118	کتاب الفصحاء والمترکین	نسائی
119	لسان المیزان	حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)
120	معجم الادباء	یاقوت حموی (م ۶۲۶ھ)
121	معجم البلدان	یاقوت بن عبد اللہ حموی (م ۶۲۶ھ)
122	میزان الاعتدال	امام ذہبی (م ۷۴۸ھ)
123	وفیات الاعیان	قاضی ابن خلکان (م ۶۸۱ھ)
	صحابہ کرام:	
124	اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ	ابن اثیر الجزیری (م ۶۳۰ھ)
125	الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب - بیروت	حافظ ابن عبد البر اندلسی قرطبی مائلی (م ۴۶۳ھ)
126	الاکمال فی اسماء الرجال مع مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین الخطیب (م ۷۴۳ھ)
127	الاصابہ فی تمییز الصحابہ	ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)
128	العواصم من القواصم	قاضی ابوبکر ابن العربی (م ۵۳۳ھ)
129	العصوٰۃ من القواصم ہر حاشیہ	علامہ سید محبت الدین الخطیب (م ۱۳۹۰ھ)
130	الناہیۃ عن طعن معاویہ	علامہ عبد العزیز فرہاروی
131	امت مسلمہ کی مائیں	مولانا عاشق الہی بلند شہری
132	ظہیر الجنان	ابن حجر عسقلانی

امام طبری --- کون؟ مآخذ و مصادر و مراجع

133	سیرت اصحاب رسولؐ	سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب
134	سیر الصحابہ - ادارہ اسلامیات لاہور	مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی (م ۱۹۷۴ء)
135	سیرت امہات المؤمنین	مولانا عبد المعجود صاحب
136	سیرت حضرت امیر معاویہ	مولانا محمد رفیع (۱۳۳۶ھ - ۳۱ دسمبر ۲۰۱۴ء)
137	سیرت عائشہؓ مع حضرت عائشہؓ عمر	علامہ سید سلیمان ندوی (م ۱۹۵۳ء)
138	مقام صحابہ	مفتی محمد شفیع صاحبؒ
	متفرقات:	
139	اردو دائرہ معارف اسلامیہ	پنجاب یونیورسٹی لاہور
140	الفرق بین الفرق دار البازمکتہ المکرمۃ	عبد القادر البعداوی
141	الفصل فی الملل والأہواء والنحل	ابن حزم
142	باب العبر	کتاب گھر کراچی
143	”تاریخی دستاویز“	مولانا ضیاء الرحمن فاروقی
144	تحفہ شافعیہ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی	حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (م ۱۳۳۹ھ)
145	تحفہ شافعیہ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی	حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (م ۱۳۳۹ھ)
146	تحفہ خلافت	امام اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنویؒ
147	حسن الکلام	امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر
148	حقوق الزوجین	سید ابوالاعلیٰ مودودی (م ۱۳۹۹ھ)
149	خلافت و لوکیٹ	سید ابوالاعلیٰ مودودی (م ۱۳۹۹ھ)
150	خلافت و لوکیٹ پر اعتراضات کا تجزیہ	ملک غلام علی صاحب
151	رسالہ عصمت انبیاء	حافظ ابن حزم اندلسی (م ۴۵۶ھ)
		مترجمہ مولانا ہدایت اللہ ندوی

امام طبری --- کون؟ مآخذ و مصادر و مراجع

152	سبائی فتنہ	مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی
153	فوائد نافعہ	حضرت مولانا نافع صاحب
154	مناظرے اور مباحثے مرتبہ ابن یونس،	مفکر اسلام ڈاکٹر علامہ خالد محمود
155	مودودی صاحب کے صحابہ کرام پر بے بنیاد و رکیک الزامات کا مدلل جواب	مناظر اسلام علامہ عبدالستار تونسوی م ۲۰۱۲ء
156	واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر	مولانا عتیق الرحمن صنبلی
157	ہدیہ مجید یہ اردو ترجمہ فقہ اثنا عشریہ	مولانا عبدالحمید خان
158	هدیة الشیعة تالیفات رشیدیہ۔	مولانا رشید احمد گنگوہی
159	ہدیہ سنیہ	شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی
	عقائد، و تصوف:	
160	الابانۃ من اصول الدیانۃ	امام ابوالحسن الاشعری (م ۳۲۴ھ)
161	العقائد النسفیۃ	امام نجم الدین نسفی (م ۵۷۳ھ)
162	العقیدۃ الحسدیۃ مع عقیدۃ الطحاوی	طبع نصرت العلوم کوئٹہ نوالہ
163	افتوحات المکیۃ	صوفی بزرگ حضرت ابن عربی (م ۶۳۸ھ)
164	المسامرۃ بشرح المسایرہ	کمال الدین ابن ہمام، م ۸۶۱ھ
165	النبراس شرح لشرح العقائد	علامہ عبدالعزیز فرہاروی م ۱۲۳۹ھ
166	الیواقیت والجواہر	علامہ عبدالوہاب شعرائی حنفی (م ۹۷۳ھ)
167	تصوف و سلوک مطبوعہ دارالعلوم جھنگ ۱۹۹۵	پیر طریقت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی
168	شرح العقیدۃ الطحاویۃ	تحقیق الشیخ احمد شاکر
169	شرح عقیدہ واسطیہ	ابن تیمیہ: م ۷۲۸ھ
170	شرح فقہ اکبر	ملا علی القاری
171	شرح العقائد	علامہ تفتازانی

امام طبری --- کون؟ مآخذ و مصادر و مراجع

	فتاوی:	
172	احسن الفتاویٰ - الحجاز کراچی ۱۴۳۱ھ	مفتی اعظم مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی
173	تعلیق شیخ البانی علی فقہ السنۃ	محمد غزالی
174	فتاوی البانیہ:	علامہ ناصر الدین البانی م ۱۲۴۰ھ ۱۹۹۹ء
	مکاتیب، اخبارات و رسائل:	
175	روزنامہ اسلام	
176	روزنامہ ایکسپریس	
177	سہ ماہی اعظاہر کوہاٹ	
178	”ماہنامہ شمس الاسلام“ بحیرہ ”مولانا امین احسن اصلاحی نمبر“ دسمبر ۲۰۱۵ء۔	
179	ماہنامہ نصرۃ العلوم ص ۱۲ مئی ۱۹۹۹ء	
180	ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان، نومبر ۱۹۹۴ء	
181	ماہنامہ الشریعہ کوئٹہ نوالہ	
182	مکتوبات حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی	
183	مکتوبات شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی (م ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء)	
184	منتخب علمی مکاتیب - طبع خشت ۲۰۱۴ء پروفیسر ڈاکٹر سراج الاسلام	
185	ہفت روزہ قائم نیویارک - ۱۳ فروری ۱۹۸۹ء	
	کتاب نحو و لغت:	
186	مجممل اللغۃ - طبع بیروت ۱۹۹۴ء	ابن فارس بن زکریا الرازی
187	معنی اللیب عن کتب الأعراب	ابن ہشام الانصاری
	کتاب شیعہ	

188	آثار حیدری	مکتبہ امامیہ لاہور
189	اصل و اصول الشیعہ	حسین آل کاشف الغطاء
190	اصول کافی	ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی (م ۳۲۹ھ)
191	القرآن الکریم ترجمہ و تفسیر	سید فرمان علی
192	القرآن الکریم ترجمہ و تفسیر	شیخ محسن علی حنفی
193	القرآن الکریم - تفسیر المفسرین	امداد حسین صاحب کاظمی
194	بحار الانوار	ملاباقر مجلسی
195	تحقیقی دستاویز	ابو مصعب جوادی
196	تنقیح المقال	مام قانی
197	توضیح المسائل - مسائل نماز	آیت اللہ مینی
198	جاگیر فدک	غلام حسین حنفی
199	حیات القلوب	ملاباقر مجلسی
200	کشف الاسرار	آیت اللہ مینی (م ۱۹۸۹ء)
201	ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام	ڈاکٹر محمد زاہد
	دیگر متفرق:	
202	بیان القرآن	محمد علی لاہوری قادیانی (م ۱۹۵۱ء)

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی کی علمی و تحقیقی کتب

نمبر شمار	نام کتاب	صفحات
1	اصلاح معاشرہ	96
2	تحقیق نکاح سیدہ	144
3	اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کون؟ طبع جدید مع اضافات	448
4	فرقہ مسعودیہ نام نہاد جماعت المسلمین کا علمی محاسبہ	240
5	حدیث حوآب کا صدق کون؟	144
6	حدیث کتاب حوآب کا تاریخی، تحقیقی اور علمی محاکمہ	608
7	سرگزشت ہاشمی (سوانح قاضی چمن پیر الہاشمی)	344
8	رج مبرور	448
9	کھلا خط ہمام مولانا اللہ وسایا	52
10	رژلہ لولاک اور آفرشاکس	368
11	عمر عائشہؓ پر تحقیقی نظر..... ایک تقابلی مطالعہ	448
12	شیعیت..... تاریخ و افکار	824
13	ستوط جامعہ سیدہ حفصہؓ	908
14	تعارف سیدنا معاویہؓ	96
15	تذکرہ سیدنا معاویہؓ	488
16	سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ	576
17	عقیدہ امامت و خلافت راشدہ	832
18	ملی بینجہی کو سئل..... ایک تنقیدی جائزہ	432
19	سیدنا معاویہؓ کے مآخذین - طبع جدید مع اضافات	464
20	امام طبری کون؟ مفسر، مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز	832
21	سیدنا مروانؓ شخصیت و کردار	

بِسلسلہ دفاع ناموس انبیاء عظام و صحابہ کرامؓ

امام طبری کون؟

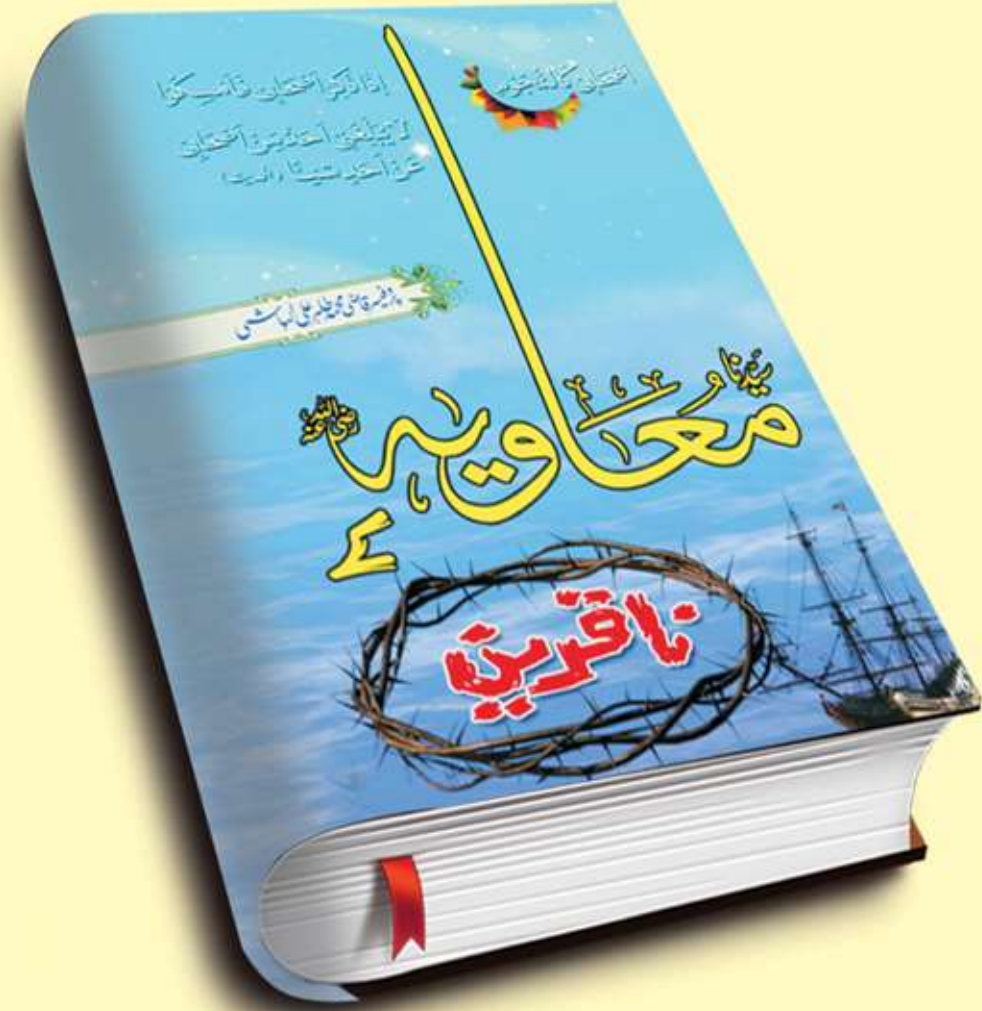
مؤرخ مجتہد یا افسانہ سَن

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

امام طبری

مؤرخ مجتہد یا افسانہ سَن

پروفیسر قاضی
محمد طاہر علی الہاشمی



قاضی چن پیر الہاشمی اکیڈمی
سیدنا معاویہؓ چوک حویلیاں ایبٹ آباد

